دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)

لهٗ دعوة الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارے میں

مدیر
مولانا سمیع الحق

جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ نومبر ۱۹۶۷ء

زر سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے سالانہ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ان دنوں علمی اور دینی حلقوں میں بلا تکبیر و تسمیہ مشینی ذبیحہ کے بارہ میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کا فتویٰ زیر بحث ہے۔ سود اور قمار کے جواز، خمر و میسر کی حلّت برتھ کنٹرول کو مستحسن اور زکوٰۃ کو ٹیکس اور نصوصِ شریعت کی بجائے صرف عِلل کو ابدی قرار دینے کے بعد اب "جھٹکے" کی حلّت اور متروک التسمیہ ذبیحہ کی اباحت کا مسئلہ ماشاء اللہ۔ مگر سوال صرف کسی ایک حرام کو حلال ٹھہرانے کا ہوتا تو بحث و تحقیق کے ذریعہ اس کا احتساب کیا جاتا۔ اب تو یہ معمول بن چکا ہے۔ کہ ہفتہ عشرہ میں اس ٹکسال سے ضرور کوئی ایسا فتویٰ برآمد ہوتا رہے — جس سے پاکستان کی پرسکون فضاء انتشار و افتراق کا شکار ہو۔ اور بالآخر پاکستان کی غیور و متصلب اکثریت کے دینی احساسات ان لادینی "جھٹکوں" کے سامنے مجبور و بے بس اور نیم مردہ ہو کر رہ جائیں — جب سوال پورے دین کا "مُثلہ" بنانے اور تمام محظورات شرعیہ کو حلال ٹھہرانے کا ہو تو پھر ادارۂ تحقیقات کو کسی مسئلہ میں ائمہ دین اور فقہاء کے باہمی اختلاف یا قریبی دور کے کسی معاصر، غیر معاصر محقق عالم کی علمی رائے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔؟ جسطرح جی چاہے فتویٰ داغ سکتی ہے۔ کون ہے جو اس کے آڑے آئے۔؟ رہے علماءِ حق اور دین و شریعت سے باخبر لوگ، تو ان کا مصرف یہ رہ گیا ہے۔ کہ کسی ڈیری فارم کا انتظام سنبھال لیں، یا کوئی مرغی خانہ کھولیں، یا شہد کی مکھیاں پال کر اور سکوائش بناکر پیٹ پالنے کی فکر کریں۔ تاکہ قوم کا کروڑوں روپیہ بچایا جا سکے۔ فتویٰ، دینی تعلیم و تربیت اور حلال اور حرام کی تمیز کرانے کا کام اب ادارۂ عالیہ کے سپرد ہے۔ پھر علماء کو کیا حق ہے۔ کہ بقول ایک ممتاز اور ذمہ دار افسر کے "ادارۂ تحقیقات کے ڈائرکٹر کو "یتیم" سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں اور بدتمیزی کی رو میں بہہ کر اسے قربانی کا بکرا بنالیں۔" آہ! یہ دین بے چارہ کتنا مظلوم اور یتیم ہے کہ اسے قربانی کا بکرا بنانے کی تو کھلی چھوٹ ہو — اس غریب الدیار کو جھٹکا کرنے کی مہم تو عین مصلحت اور حالات کا تقاضا ہو۔ مگر زبان پر دینی مسئولیت کی بناء پر کسی کا حرفِ شکایت لانا بدتمیزی اور انتشار پسندی ہو۔ اب رہا نفس مسئلہ تو ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی رُو سے اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے۔

محکمہ اوقاف کے ایک ذمہ دار افسر نے ان مبیّنہ اطلاعات پر (کہ دار العلوم کے جلسہ دستار بندی

میں بعض حضرات نے نماز میں تلاوت کردہ آیات کے ترجمہ کے بارہ میں اوقاف بورڈ کے فیصلہ پر تنقید کی) حسب ذیل وضاحت کرانی چاہی ہے جسے ہم بخوشی نقل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اوقاف بورڈ نے صرف اس قدر فیصلہ کیا تھا کہ نماز میں تلاوت کردہ آیات شریفہ کا آسان ترجمہ نماز کے اختتام پر حاضرین کو سنا دیا جائے۔ اس کا مقصد بجز احکام خداوندی کو عوام تک پہنچانے کے کچھ بھی نہیں اور نہ ہی یہ فیصلہ مستقبل میں خدانخواستہ دین میں کسی قسم کی مداخلت کا پیش خیمہ ہے ——

پچھلے کسی شمارہ میں میٹرک کے نصاب سے خلافت راشدہ کے باب کے اخراج سے متعلق محکمہ تعلیم کے اس اقدام کے عواقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب وزیر تعلیم جناب الحاج محمد علی خان صاحب کیطرف سے اس فیصلہ کے واپس لئے جانے کی اطلاع آئی ہے۔ ہم اس وضاحتی اعلان کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں۔ کہ اس غلط اور ناعاقبت اندیشانہ اقدام کے محرکات کی نقاب کشائی کرائی جائے گی۔ خلافت راشدہ جسکی عظمت وتقدیس اور تعدیل وتنزیہ قرآنی نصوص اور صریح ارشادات رسول پر مبنی ہے۔ یہ عہد سعادت اسلام کی اساس ہے۔ اور گھر کبھی بھی بنیادوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک مسلمان ریاست کے لئے لازمی ہے کہ وہ نہ صرف اس عہد زریں کو اپنا اسوہ بنائے بلکہ اس کے احترام وتقدیس کو چیلنج کرنے والی کسی بھی علمی عملی یا فکری سرگرمی کا بروقت سختی سے محاسبہ بھی کرتی رہے۔

شاہ ایران کی تاجپوشی دھوم دھام اور شاہانہ طمطراق سے ہوئی۔ اور اب تک اخبارات کے صفحات ان تقریبات کی رنگینیوں اور ہزارہا ہزار ہیروں اور جواہر سے مرصّع تاج وتخت کے چرچوں سے معمور ہیں۔ ایک امن پسند مخلص اور حلیف فرمانروا کی مسرتوں کا پہلا تاثر تو ظاہر ہے۔ کہ ہم سب ان کی مسرتوں میں شریک ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ان تقریبات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے ایک نگاہ حقیقت بین گریز نہیں کر سکتی۔ کہ تاریخ جدید ہو یا قدیم اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو بیسوی صدی کو بھی دو ہزار سال پیچھے کیطرف لوٹا دے۔ اسکی گرفت اتنی سنگین ہے۔ کہ بیسوی صدی (جو جمہوریت اور سلطانی جمہور کا دور کہلاتا ہے۔) میں کیقباد اور کیخسرو، کسروان فارس یا سلطنت روما کی الف لیلوی داستانیں دہرا سکتی ہے۔ عہد جدید کا "متمدن" انسان خواہ قدامت بیزار

انگلینڈ کا باشندہ ہو یا جمہوریت پذیر فارس کا، جذبۂ شخصیت پرستی کے سامنے آج بھی اتنا ہی بے بس ہے۔ جتنا کہ ہزار سال پہلے تھا۔ اور تو اور مساواتِ انسانی اور اشتراکیت کا دعویدار روس کیا اپنے گلے سے مظاہر پرستی کا پھندا اتار سکا ہے۔؟ ہرگز نہیں سٹالن اور لینن کے سامنے یہ قوم کتنی بے بس ہے۔؟ جو قوم خدا سے کٹ گئی عمر بھر مخلوق کی جبہ سائی اس کا شیوۂ حیات بنا۔ عجز و انقیاد اور تعظیم و تکریم کی وہ کونسی صورت ہے۔ جس کا مظاہرہ خدائے حی و قیوم سے انسانیت کو توڑنے کے بعد جذبۂ پرستش نے ان قوموں سے اپنے مصنوعی اربابوں کے مجسموں، مقبروں، نشانیوں اور سمادھیوں پر نہیں کروایا۔ یہ صرف اسلام ہی ہے۔ جو ان تمام تکلفات خود ساختہ امتیازات اور تعیشات کا کبھی روادار نہیں رہا۔ جن سے دوسروں کی انسانی عظمت اور جذبۂ خودی پائمال ہوتی ہو۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں تحریف و تاویل کی ہزار کوششوں کے باوجود اسلام کا عادلانہ نقطۂ نظر کسی باخبر مسلمان سے مخفی نہیں رہا۔ مگر پچھلے دنوں اس تحریک کے بارہ میں یورپ کے کلیسا کی ناراضگی عیسائیوں کے مذہبی اکابرین کی شدید خفگی اور پھر حال ہی میں ہندوؤں کے ایک ممتاز مذہبی رہنما شنکر اچاریہ کا احتجاجی بیان اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اسلام تو اسلام (جو ہر لحاظ سے مکمل اور فطری مذہب ہے۔) دنیا کا کوئی محرّف یا مسخ شدہ مذہب بھی اس غیر حکیمانہ فعل کی تائید نہیں کرتا۔ گویا اس تحریک کی غیر معقولیت پر مذاہبِ عالم کا "اجماع" ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک ہندوستانی بزرگ یہود کے عارضی غلبہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کا رشتہ یہود کے کسی در پردہ اور مخفی ایمان و اسلام سے جوڑنے لگے۔ اناللہ۔ موصوف کی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم انہیں اس معاملہ میں مجبور سمجھتے ہیں۔ "قادیانیت" کے کفر ہونے میں انہیں اب تک انشراحِ خاطر نہیں ہوا۔ قرامطہ اور باطنیہ کے عقائد کا "تزکیہ" بھی فرما چکے ہیں۔ رہی سہی کسر یہودیت کو "اسلامیانے" کی سعی نے پوری کردی۔ یہود آج اپنے مذہب کے معاملہ میں کتنے بھی پختہ کیوں نہ ہوں۔ مگر پیغمبرِ اسلام ؐ کی بعثت کے وقت ان کا دینی تیقظ اور تصلب بہرحال اس وقت سے تو لاکھ درجہ زیادہ ہی ہوگا۔ مگر باطل مذہب کا یہ سہارا انہیں خدا کیطرف سے دائمی ذلت و خسران کے اعلان سے نہ بچا سکا۔ پھر رسوائی اور ذلت کی یہ مہر قرآن نے نزولِ قرآن کے وقت ثبت نہیں کی۔ بلکہ اس سے ہزار سال قبل کی لگی ہوئی ذلت و مسکنۃ کی اطلاع دی ہے۔ جبکہ اس دوران دو ایک

مرتبہ عارضی غلبہ اور قوت انہیں حاصل ہو چکی تھی۔ مگر اسے نہ تو نبیؐ اور صحابہؓ نے اس آیت کے منافی سمجھا نہ سلف میں سے کسی اور نے۔ اس لئے کہ ڈاکو کے عارضی تسلط اور غلبہ کو عزت و سرخروئی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک طے شدہ اور صاف بات ہے۔ کہ نہ تو محمد عربی علیہ السلام کی رسالت ماننے کے بغیر کوئی ایمان خدا کی بارگاہ میں شرف قبول پا سکتا ہے۔ اور نہ حضور اقدسؐ کی لائی ہوئی شریعت ماننے بغیر کوئی قوم آیت ضربت علیہم الذلۃ کے استثنائی دائرہ الا بحبل من اللہ میں داخل ہو سکتی ہے۔ خدا کے آخری رسول کی رسالت و شریعت ہی ہے جسے قرآن کریم میں کہیں حبل من اللہ (خدا کی رسی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی عروۃ وثقیٰ (مضبوط دستہ) سے۔ اس معاملہ میں خدا تعالیٰ کا فیصلہ دو ٹوک ہے۔ کہ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ ——— اب کوئی دوسرا مذہب نہ تو فلاح و سرخروئی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اور نہ خدا کی بارگاہ میں وقعت اور قبولیت کا دعویٰ کر سکتا ہے ——— اگر چند روزہ مادی شوکت و غلبہ کے ڈانڈے ایمان و اسلام سے جوڑنا ضروری ہوں، تو پھر ہٹلر اور مسولینی بلکہ کارل مارکس اور سٹالین کی "فتوحات" کو کون سے ایمان کا کرشمہ قرار دیا جائے۔ جبکہ موخر الذکر حضرات تو عمر بھر خدا کے وجود تک سے بغاوت کا پرچار کرتے رہے۔ ہم اپنے بزرگ سے نیاز مندانہ عرض کریں گے۔ کہ وہ اپنی عظیم دینی خدمات اور ثقہ دینی منصب کی خاطر جوش خدمت قرآنی میں جمہور سلف کی راہ سے اس قدر نہ ہٹیں۔ خداوند تعالےٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے اس قسم کی شدید فروگذاشتیں پلک جھپکنے میں عمر بھر کے حسنات کو حبط کر دیتی ہیں ——— خداوند تعالےٰ ہم سب کو استقامت کی توفیق دے۔ آمین

مکہ ریڈیو کے حوالہ سے یہ اطلاع آئی ہے۔ کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل نے اپنے ملک میں ملکی یا غیر ملکی عورتوں کا نیم برہنہ لباس پہن کر بازاروں میں گھومنے پھرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ کیونکہ اس سے اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور ملک کے قدیم روایات کو دھچکا لگتا ہے۔ ہم اس مبارک فیصلہ پر شاہ فیصل کو مبارک باد دیتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ خدا انہیں یہ فیصلہ نافذ کرانے کی توفیق دے۔ یورپی تہذیب اور تمدن جو سراسر بے حیائی ہے۔ ہر اسلامی ملک کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے۔ بالخصوص سعودی عرب جو حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کا دل ہے۔ اور دل میں فاسد مادہ کی سرایت سے ہر مسلمان کا پریشان اور متاثر ہونا لازمی ہے۔ ہمیں شاہ کے اس مومنانہ فیصلہ سے بے انتہا مسرت ہے۔ اور ہماری تمنا ہے کہ خدا انہیں مرکز اسلام کو ہر فکری و عملی گمراہی سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

پچھلے دنوں ایک راہگذر کو سوء اتفاق سے ایک ایسی مجلس کا مشاہدہ ہوا جس میں معمولی مادی منصب پر فائز دین اور علم سے تہی دامن ایک انسان اپنے زیر اثر اہل علم و ارباب دین کے ایک گروہ کو مشوروں اور نصائح کے عنوان سے ایسا ڈانٹ رہا تھا، جیسے سکول کے بچوں کو ڈرایا دھمکایا جا رہا ہو۔ اس کے کلام میں وعدہ بھی تھا، وعید بھی۔ خوف بھی تھا اور لالچ بھی۔ اندازِ بیان نہایت جارحانہ، دل آزار، اور طرزِ خطاب رعونت کا غماز ——— دین کے سامنے دنیا کی یہ گھن گرج سننے والا کانپ اٹھا۔ اسکی آنکھوں میں تو ابوجعفر منصور اور ابن ھبیرہ کے سامنے امام ابوحنیفہ، طاؤس بن سنان اور دیگر علماء حق کا کردار تھا مگر واویلاہ اس مجلس میں تو کسی صاحبِ جبہ و دستار کو جنبش تک نہ ہوتی وہ اگر چاہتے تو کم از کم نرمی اور ملاطفت سے اُسے اہل علم سے خطاب کے آداب اور سلیقوں کیطرف متوجہ کرا سکتے تھے۔ مگر افسوس کہ ردِ عمل میں صحیح فرمایا، بجا فرمایا اور بیشک بیشک کی آوازیں کانوں سے ٹکرائیں۔ یلیتنی متّ قبل ھذا وکنت نسیاً متسیًّا ہر چند کہ مادی مصالح میں جکڑے ہوئے بے کسوں کی ایک اقل قلیل جماعت تھی۔ پھر ان میں بھی ایمانی حرارت سے سرشار دو ایک حضرات موجود تھے۔ ——— اور اہل صدق و صفا اور ارباب عزیمت علماء سے ملک کا گوشہ گوشہ پٹا پڑا تھا ——— مگر علم کی اس تحقیر اور منبر و محراب کی اس تذلیل سے دل پر جو چوٹ لگی۔ اُس کا مداوا کن الفاظ میں کیا جائے۔

اس مجلس نے زوالِ علم اور اندراس دین کی ایک کربناک تصویر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی ہے۔ اور وہ اس مستقبل کی تصویر سے بھی کانپتے ہوئے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ جب کہ علم و مشیخت، منبر و محراب، خانقاہ و مدرسہ اور دین و شریعت کے حامل افراد وسیع پیمانے پر اس صورت حال سے دوچار ہوں گے۔ اس وقت اعلاء حق اور جرائت ایمانی کی کمیابی کی تلافی کی کیا شکل ہو گی؟ کسی نے خوب کہا کہ علماء حق زمین کا نمک ہیں، جسکی نمکینی کلمۂ حق کہنے اور دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے میں ہے۔ لیکن اگر نمک اپنی خاصیت کھو بیٹھے تو پھر کونسی چیز ہے جو اسے نمکین بنا دے ——— اگر کسی میں اس کربناک منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں تو اسے یہ بات ہر وقت مستحضر رکھنی چاہیئے کہ علم خدا کی صفت ہے۔ اور عالم اس کا مظہر، اس علم کا تقاضا ہے۔ کہ اسے اونچا رکھا جائے۔ خدا کی صفت ہر حال میں بالادستی کی مستحق ہے، دار و رسن ہو یا تلوار کی دھار، خدا کے وصف خصوصی کو ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس علم کے حامل جو لوگ اسکی آبرو نہ رکھ سکیں تو ان کیلئے بہتر ہے۔ کہ عالمانہ بھیس چھوڑ کر چمار اور بھنگی بننا قبول کریں۔ ملک و ملت سے نصح و خیر خواہی کا معاملہ آپ کا فریضہ ہے۔ اگر کوئی تمہاری رہنمائی طلب کرے تو بصد خلوص بھرپور تعاون کریں۔ لیکن اگر معاملہ غلام اور خادم جیسا ہو تو یہ آپ کی اپنی تحقیر نہ ہو گی بلکہ علم اور دین کی آبرو ریزی ہو گی۔ علماء دین تو ائمہ صدق و عزیمت امام مالک، امام ابوحنیفہ، اور امام احمد بن حنبل کے جانشین ہوتے ہیں۔ دربار اکبری کے ابو الفضل اور فیضی اور دربار عباسی کے قاضی ابو البختری وہب بن وہب کے نقشِ قدم پر چلنے والے نائب رسول نہیں بلکہ اس دھرتی پر خدا کی پھٹکار ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

کمیونزم (سرمایہ داری) اور اسلام

اکتنازیت
اشتراکیت
اسلامی اعتدالیت

گذشتہ سے پیوستہ

شجاعت اور سرمایہ داری

شجاعت اس کا نام ہے کہ ایک آدمی منفعت عامہ اور انسانیت کے بلند مقاصد کے لئے جان کی قربانی دے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا ایک فرد جب ایک محتاج کی حاجت روائی کے لئے بلاسود پانچ روپے نہیں دے سکتا تو وہ جان کی قربانی کب دے سکیگا۔ یہی وجہ ہے کہ سود خور اقوام سخت بزدل اور شجاعت سے خالی ہوتے ہیں۔ ایسی قومیں جب فوج کو لڑاتی ہیں تو شراب نوشی کے ذریعہ مصنوعی شجاعت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن حقیقت پھر بھی نہیں بدلتی جسکی بڑی دلیل دنیا کی عظیم ترین سرمایہ دار حکومت امریکہ کی وہ جنگ ہے جو وہ گذشتہ چند سالوں سے اپنے بے پناہ وسائل کے ذریعہ ایک چھوٹی غیر ترقی یافتہ معمولی ریاست سے لڑ رہی ہے یعنی شمالی کوریا اور شمالی ویٹ نام کے ساتھ۔ امریکہ نے ان دونو لڑائیوں میں اپنی پوری قوت جھونک دی۔ لیکن نہ وہ شمالی کوریا کو شکست دے سکا۔ اور نہ شمالی ویٹ نام کو شکست دے سکتا ہے۔ اور نہ دے سکے گا۔

ان دونوں جنگوں نے ثابت کر دیا کہ سرمایہ دار سود خور قومیں بنیوں کیطرح بہادری سے خالی ہوتی ہیں۔ اور بہادری کے بغیر مشینی طاقت فیصلہ کن نہیں۔ اخلاقی اعتبار سے امریکہ صفر ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس صفر قوم کو سائنسی آلات حرب اور دولت کا حفاظتی قلعہ کب تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔ غالباً جب سرمایہ دار اقوام کی اسلحہ سازی کا ہنر معمولی اقوام میں پھیل جائے گا۔ اگرچہ امریکہ اور یورپ کے برابر نہ ہو تو وہ وقت ان ممالک کی تباہی کا وقت ہوگا۔ اور انسان اور انسان کی جنگ ہوگی۔ تو جس قوم میں اخلاقی اقدار کی برتری ہوگی، وہی فتح پائے گی۔

سرمایہ داری نظام کی اقتصادی تباہیاں

کسی قوم کی اقتصادی حالت اسوقت بہتر ہو سکتی ہے۔ کہ قوم کے تمام افراد کو ضروریاتِ زندگی میسر ہوں اور کوئی فرد ضروریاتِ حیات سے محروم نہ ہو۔ لیکن اگر ایک قوم کے محدود چند افراد کے پاس دولت اور ضروریاتِ حیات کے انبار لگے ہوں۔ اور اکثر افراد ضروریاتِ حیات سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے اقتصادی انحطاط ہے، ترقی نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے۔ جکو وہ افراد شیطانی اور مسرفانہ اخراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے۔ اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے۔ غربت اور افلاس کا دائرہ اس نظام کی وسعت کے انداز پہ ہوگا۔ جسقدر ممالک اور اقوام پر سرمایہ دار ملک بالذات یا بالواسطہ اقتدار قائم کر لیتا ہے۔ ان سب ممالک کی پوری آبادی کی اکثریت مفلوک الحال اور فاقہ مست ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام دولت کے خون کو جذب کرنے میں ایک طاقتور جونک کیطرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا۔ آجکل دنیا کے اکثر حصوں پر بالذات یا بالواسطہ سرمایہ دار ملکوں کا اثر ہے۔ اسلئے دنیا کی پوری آبادی کی اکثریت فاقہ میں مبتلا ہے۔ اگرچہ مشینی آلات زراعت اور آبپاشی کے سائنسی وسائل کے ذریعہ زمینی پیداوار بڑھانے میں انتہائی کوشش کی گئی اور کی جا رہی ہے۔ پھر بھی وہ سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی بھوک دور کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی جسکی بڑی دلیل اقوامِ متحدہ کی سماجی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء ہے۔ جس میں درج ہے کہ "دنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور ضروریات مہیا نہ ہونے کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہے" جس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی نصف آبادی کے پاس نہ خوراک کے لئے روپیہ ہے۔ اور نہ علاج کے لئے دوا کی قیمت۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی مجموعی دولت بقدرِ ضرورت تمام انسانوں کے حصے میں نہیں آتی۔ بلکہ چند مہاجنوں، کارخانہ داروں اور سود خوروں میں بند ہو گئی ہے۔ دولت اجتماعی زندگی کے لئے ایسی ہے۔ جیسے خون شخصی زندگی کے لئے۔ اگر بدن سے حاصل شدہ خون کسی ایک عضو میں بند ہو جائے تو باقی اعضاء کی نشوونما کے لئے کیا بچے گا۔ اور ایسی صورت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح انسانیت بھی ایک واحد وجود ہے۔ اور مختلف طبقات مختلف اعضاء ہیں۔ اگر ایک طبقہ یعنی امراء انسانی مادہ حیات یعنی وسائل رزق پہ قابض ہو جاتا ہے۔ تو باقی طبقات کی محرومی یقینی ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے مال کو مادہ حیات انسانی قرار دیا ہے۔ ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً

"تم نادانوں کے ہاتھ میں مال مت دو جس سے تمہاری زندگی قائم ہے"۔ — آجکل مال پر تقریباً سفہاء اور بیوقوفوں کا قبضہ ہے جسکو وہ بیجا اڑاکر خرچ کرتے ہیں۔ جیسے آگے چل کر بیان ہوگا۔ مادہ حیات مال ہے، اجتماعی زندگی کے لئے جسطرح خون شخصی زندگی کے لئے مادہ حیات ہے۔ تو مادہ حیات کا چند افراد یا خاندانوں میں بند ہو جانا نامعقول ہے۔ بلکہ خون کی طرح اسکی گردش اور حرکت ضروری ہے۔ قرآن مجید نے مال غنیمت پوری فوج پر تقسیم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ مال صرف دولتمند طبقے میں چکر نہ لگائے۔ بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متمتع ہو سکیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا اقتصادی نقصان

سرمایہ دارانہ نظام میں ناجائز کمائی کی وجہ سے مثلاً رشوت، قمار بازی، عقود فاسدہ، غصب، نہب، سمگلنگ وغیرہ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ میں افراطِ زر پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے ضروریات زندگی کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اور عوام قوت خرید نہ ہونے کے باعث ضروریات کی خرید سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک قلیل طبقہ خوشحال ہوتا ہے۔ لیکن عوام کی حالت قابلِ رحم ہوتی ہے۔ اس لئے عوام کی اقتصادی حالت ناہموار ہو جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا اقتصادی نقصان

عوام جب محنت کر کے بھی افراطِ زر اور اشیاء صرف کی قیمت بڑھ جانے کیوجہ سے اسکو نہیں خرید سکتے اور باوجود مشقت کرنے کے بھوک اور افلاس میں مبتلا رہتے ہیں۔ تو اجرت عمل کے اضافہ کیلئے ہڑتالوں کی نوبت آتی ہے۔ جب اس سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ تو ان کے جذبۂ عمل اور جوشِ محنت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے کسب مال کی تحریک کمزور ہو جاتی ہے۔ اور برآمد کی کمی کی وجہ سے عمومی معاشی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک میں روزمرہ ان امور کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

سرمایہ داری کا سیاسی نقصان

مستحکم حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام مطمئن ہوں۔ اور ان میں باہمی کشمکش اور طبقاتی خصومت اور منازعت نہ ہو۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ اس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہونے لگتا ہے۔ جس سے طبقاتی جنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب عوام یہ محسوس

کرنے لگتے ہیں۔ کہ اس جنگ اور خستہ حالی کا اصلی سبب وہ حکومت ہے جو اس نظام کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اس نظام کو قائم رکھنا چاہتی ہے، تو عوام کی نفرت کا رخ حکومت کیطرف پھر ہو جاتا ہے۔ اور عوام اور حکومت میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اور تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول کے تحت عوام اور حکومت کے تصادم کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ ؎

غلام گرسنہ دیدی کہ بر در بد آخر   قبا رشاہ کہ رنگین ز خون ما بودہ است

اور کسان کے ضمیر کی یہ آواز ہوتی ہے ؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی   اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

آپ کو ہڑتالوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جن حکومتوں میں نظر آتا ہے۔ وہ اسی ناہموار معاشی نظام کا نتیجہ ہے۔ جس سے حکومت غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری کا دوسرا سیاسی نقصان

سرمایہ دارانہ نظام عوام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ امیر، غریب، امراء میں حب مال کی بناء پر بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور غرباء میں نظامِ حکومت سے نفرت کی وجہ سے بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکی وجہ سے اب حکومت کے پاس اپنی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ امراء بزدلی کی وجہ سے اہلیت دفاع سے محروم ہیں۔ اور غریب عوام خود حکومت سے متنفر ہوتے ہیں۔ حکومت کی حفاظت قربانی اور جذبۂ جان نثاری کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے بیرونی حملہ آور آسانی کے ساتھ ایسے ملک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ ویٹ نام کی جنگ اسکی مبین دلیل ہے۔ عوام ویٹ کانگ اس جنگ میں جس بہادری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ امریکی عوام میں وہ جذبہ نہیں۔ نتیجہ یہ کہ امریکہ کو اپنے بے پناہ وسائل جنگ کو کام میں لانے کے باوجود اس چھوٹی سی ریاست کے مقابلہ میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ شکست ہو رہی ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں ہتھیار اور آلات حرب خود نہیں لڑتے بلکہ انسانی قوت ان آلات کو استعمال کرتی ہے۔ اور ان کی قوت قلبی شجاعت اور جفاکشی، جوشِ عمل پر فتح و شکست کا مدار ہوتا ہے۔ اور وہ امریکی عوام میں صفر ہے ـــ اب تو سائنسی آلاتِ حرب اور دولت نے کچھ اسکی لاج رکھی ہے۔ جب یہ آلات عام ہو جائیں گے تو امریکہ کا انحطاط نمایاں ہو جائے گا۔ اور پردہ چاک ہو جائیگا۔

سرمایہ داری کا تیسرا سیاسی نقصان

مضبوط سیاسی نظام کیلئے یہ ضروری ہے کہ قوم اور مملکت کے تمام افراد متحد اور منظم

ہوں۔ ان میں انتشار، تفریق اور طبقاتی کشمکش نہ ہو۔ ورنہ سیاسی نظام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور داخلی کمزوری کی وجہ سے قوم اور مملکت ضعیف ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں یہ کشمکش ضرور موجود ہوتی ہے۔ اسی کمزوری کی وجہ سے ایسی مملکت حملہ آور کا مقابلہ نہیں کر سکتی ــ جرجی زیدان کا خیال ہے کہ اسلامی قوت نے روم اور فارس کی حکومت کو اس وجہ سے شکست دی کہ ان میں سرمایہ داروں کے نظام کی وجہ سے عوام بددل تھے۔ اور اسلامی انصاف کے لئے چشم براہ تھے۔ یہ بات اگرچہ کلیۃً درست نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلامی مملکت کا اندرونی معاشی اور عدالتی نظام مقابلۃً معقول اور مستحکم تھا۔

سرمایہ داری کا چوتھا سیاسی نقصان

سیاسی استحکام کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ افراد مملکت صحت بدن، پختگی کردار اخلاق، جفاکشی اور موت سے بے خوفی جیسے اوصاف کے حامل ہوں۔ تاکہ وہ زندگی کے تلخ واقعات کا پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام جس قسم عیاشانہ زندگی کو جنم دیتا ہے۔ وہ ان صفات کے خلاف ہوتی ہے۔ اخلاقی قوت اور پختگی سیرت کو تباہ کرنے والی چیزیں مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ شراب نوشی ۲۔ سگریٹ ۳۔ زنا ۴۔ لواطت اور اغلام ۵۔ چوری

اب سرمایہ دار ممالک کی اخلاقی کیفیت ملاحظہ ہو۔

شراب | انگلستان میں سالانہ ۴ ارب ۲، کروڑ روپے کی شراب لنڈھائی جاتی ہے۔ سچ ۲۷، مئی ۱۹۲۷ء یہ چالیس سال قبل کی شراب نوشی ہے۔

امریکہ کے باشندے شراب پر سالانہ ۹ ارب ۱۵ کروڑ ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ڈالر کی قیمت پانچ روپے پاکستانی ہو تو مجموعی طور پر شراب کا خرچ پاکستانی سکہ کے حساب سے ۴۵ ارب ۵، کروڑ روپے ہے۔ میزان کوئٹہ ۱۶، جولائی ۱۹۵۲ء

صرف ملکہ الزبتھ ۲۹ واں کے جشن تاجپوشی کی مجلس میں ۳۴ کروڑ روپے کی شراب خرچ ہوئی۔ امروز ۳، جون ۱۹۵۳ء

سگریٹ | رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۰، فروری ۱۹۵۵ء کے مطابق صرف آٹھ سرمایہ دار ممالک میں سگریٹ پر سالانہ پچاس ارب پچاس لاکھ کی رقم خرچ کرتے ہیں۔

زنا | رپورٹ مندرجہ نوائے وقت لاہور ۲، اکتوبر ۱۹۵۲ء کے مطابق گذشتہ جنگ عظیم

میں امریکی فوجوں نے جاپانی ماؤں سے خفیہ اور اسقاط صورتوں کے علاوہ بیس لاکھ حرامی بچے چھوڑے اس کے برخلاف اسلامی فوجوں نے دنیا کے اکثر حصے کو فتح کیا۔ لیکن زنا کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔۔۔۔ امریکہ میں ۲۱ سالہ نوجوان ہیراٹن کیساتھ تین دوشیزہ عورتوں نے سات مرتبہ زنا بالجبر کیا۔ پاسبان کوئٹہ ۲۸ مئی ۱۹۵۲ء۔ اب تک انسانی تاریخ میں مرد کا زنا بالجبر تو آپ نے سنا ہوگا۔ لیکن عورتوں کا مرد کو زنا پر مجبور کرنا ترقی کا انوکھا واقعہ ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں سان فرانسسکو میں فوجیوں نے شراب پی، دوکانیں لوٹ لیں، اور دوشیزاؤں کی عصمت دری کی اور عام سڑکوں پر ان کو ننگا کر دیا۔ نوائے وقت لاہور ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء۔ برطانیہ میں مادر زاد ننگوں کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ نوائے وقت ۲۲ مئی ۱۹۵۳ء

لواطت اور اغلام | امریکہ کے سپریم کورٹ کے جج نے دو لاکھ ننگی اور گندی تصویروں کو دیکھ کر کہا کہ نیویارک سدوم اور عموریا بنتا جارہا ہے۔ (یہ قوم لوط علیہ السلام کی لواطت کے جرم میں تباہ شدہ بستیوں کے نام ہیں۔) صدق جدید ۳ دسمبر ۱۹۵۴ء

اغلام بازی تہذیب فرنگ کا جزو بن گیا ہے۔ لنڈن ٹائمز ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء

۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلستان کے دارالعوام اور دارالامراء میں ۱۴ کے مقابلہ میں ۶۹ ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ تالیوں کی گونج سے یہ قانون پاس ہوا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی کے ساتھ تلذذ بالمثل حاصل کر سکتے ہیں۔ جس پر ملکہ الزبتھ کے دستخط ہو کر اب جواز لواطت انگلستان کا قانون بن گیا۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک۔ اگست ۱۹۶۷ء

انگلستان میں کلیسا، گرجے، پارلیمنٹ اور سب شعبوں میں لواطت عام ہے۔ صدق جدید ۶ جنوری ۱۹۵۶ء۔

چوری | امریکہ کے محکمہ تحقیقات کی رپورٹ ہے کہ امریکہ میں ہر سیکنڈ میں ایک بڑا جرم ہوتا ہے۔ ہر ۲۴ گھنٹے میں ۲۶۳ موٹریں چرائی جاتی ہیں۔ پاسبان کوئٹہ ۹ جنوری ۱۹۵۰ء

صدر کینیڈی کی صدارتی تقریب جو واشنگٹن میں منائی گئی۔ اس میں گیارہ ہزار پیالے۔ چھ ہزار شیشے، تڑے۔ چھ سو رومال۔ ایک بڑی مشین چرائی گئی۔ ترجمان اسلام ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء

یہ مشت نمونہ از خروارے ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یورپ کی اخلاقی حالت بے لگامی کی کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ ان امور سے جو اخلاقی انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اصلی سرچشمہ یہود ہیں

آجکل نصف دنیا سے زیادہ ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے۔ جس کے مفاسد اور تباہیاں مختصر بیان کی گئیں۔ اس نظام اور اس نظام سے پیدا شدہ تباہیوں کا اصلی سرچشمہ قوم یہود ہے۔ اس قوم کا پہلا مرکز فلسطین اور جزیرۃ العرب تھا۔ جن کے سودی کاروبار نے پوری عرب قوم کو مفلس اور قلاش بنا دیا تھا۔ قرآن پاک نے بھی ان کی سرمایہ داری اور اکتنازیت کی شدید مذمت کی اور ارشاد ہوا، والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔ حضرت معاویہؓ سے بخاری کتاب الزکوٰۃ میں روایت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں ہے۔ عرب اور بالخصوص مدینہ میں اہل کتاب میں سے زیادہ یہودی آباد تھے۔ اور وہی سرمایہ داری اور اکتنازیت کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسلام جب غالب آیا تو یہود اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور عرب سے نکل کر کے یورپ میں اور بعد ازاں امریکہ میں پھیل گئے۔ اور اپنا سودی کاروبار اور سرمایہ دارانہ نظام بھی ساتھ لے گئے۔ جسکو انہوں نے تمام یورپ اور امریکہ میں پھیلایا۔ اب بھی یہود کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی چالیس فیصد دولت پر قابض ہیں۔ انہی یہود کی وجہ سے نصف دنیا سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے جہنم کدہ میں جل رہی ہے۔ اور اسی یہودانہ نظام نے استعمار کی شکل میں دنیا کے ایک بڑے حصے کو غلام بنا دیا ہے۔ جو بیدار ہونے کے بعد حصولِ آزادی کے لیئے برابر لڑتے ہیں۔ استعمار قائم کرنے اور بعد ازاں استعمار سے آزادی حاصل کرنے میں جسقدر خون ریزیاں ہوئیں یا آئندہ ہونگی یہ اس یہودانہ نظام کے نتائج ہیں ــــــ۔

سرمایہ دار ممالک کے عوام غریب ہیں

اس ناہموار اور غیر متوازن نظام کے جو مہلک نتائج ہم نے بیان کئے وہ صرف عقلی و منطقی نہیں بلکہ واقعاتی اور تجرباتی ہیں ــــــ برطانیہ کی آبادی ۱۹۲۹ء میں چار کروڑ تین لاکھ تھی۔ اور فی کس سالانہ آمدنی ستر روپے تھی۔ لیکن اس عظیم تعداد میں لکھ پتی صرف ۵۴۳ تھے۔ المقتطف مصر نومبر ۱۹۳۰ء۔ گویا اسراف کے مرکز میں آسودہ حال یہی چند سو آدمی تھے۔ باقی افراد کا حال، مئی ۱۹۲۶ء کی مندرجہ ذیل رپورٹ اعداد مردم شماری میں حسب ذیل ہے۔ ہمارے ملک انگلستان میں چوتھائی آبادی تقریباً ایک کروڑ ایسی ہے جو ناداری میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور دوسری ایک کروڑ ایسی ہے جو نیم فاقہ کشی

کی حالت میں دن کاٹ رہی ہے۔ جو آرام و آسائش کے نام سے بھی واقف نہیں اور مویشی رکھنے تک قادر نہیں۔ انگلستان نے جب فقراء اور مساکین کا حصہ خزانہ میں مقرر کیا تو کہا گیا کہ اب افلاس کم ہؤا جس پر ڈیلی ہیرلڈ نے لکھا۔ اب بھی بہت گھرانے ہیں جنکو گوشت سبزی بغیر آلو کے کبھی نصیب نہیں ہؤا۔ ایک طرف یہ افلاس اور دوسری طرف آسودہ حال طبقہ سالانہ چار ارب ۴، کروڑ کی رقم شراب پر خرچ کرتا ہے۔ اس فقر نے برتھ کنٹرول پیدا کیا۔ سچ لکھنو ۵ر فروری ۱۹۶۶ء۔

—— یہ اس عظیم سرمایہ دار ملک کا حال ہے۔ جسکی سلطنت پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ امریکہ میں سالانہ اوسطاً ایک لاکھ ڈاکے پڑتے ہیں۔ اور پانچ لاکھ چوریاں ہوتی ہیں جسکا بڑا سبب فقر اور افلاس ہے۔ سچ ۱۱ر اپریل ۱۹۲۷ء بحوالہ سنڈے ایکسپریس پانیر الہ آباد۔

فقر کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہونے والوں کی سالانہ تعداد صرف انگلستان میں ۵ ہزار ہے۔

اکتنازیت نے اشتراکیت کو جنم دیا

اکتنازیت اور سرمایہ داری کے غیر فطری نظام نے بیشمار مفاسد کو پیدا کیا جس سے خود اس کے پیٹ سے اس کا توڑ یعنی اشتراکی نظام پیدا ہؤا۔ اسی کے پیٹ سے ہم نے اس لئے کہا۔ کہ دونو غیر فطری تحریکیں (سرمایہ داری اور کمیونزم) کے موجد اور بانی یہود ہیں۔ کمیونزم یا اشتراکیت کے بانی شوپن ہار المانی۔ کارل مارکس۔ لینن۔ ہیں۔ اور یہ تینوں یہودی ہیں۔ (دیکھئے طنطاوی کی تفسیر الجواہر ص ۱۴۵/۲) ان دونوں یہودانہ تحریکوں نے کل دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا۔ مشرقی اور اشتراکی بلاک۔ اور مغربی سرمایہ دار بلاک دونو میں اسلحہ سازی کی دوڑ جاری ہے۔ اور ان دونوں نظاموں کی کشمکش سے لاکھوں کروڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ جس کے لئے مہلک ترین آلہ یعنی ایٹم بم آئن سٹائن یہودی نے ایجاد کیا ہے۔

سرمایہ داری کیطرح کمیونزم کے بانی بھی یہود ہیں

عالم کا یہ مادی فتنہ جس نے دو بلاکوں میں دنیا کو تقسیم کیا۔ اور ان دونوں میں مستمر سرد یا گرم جنگ قائم ہے۔ یہودی فتنہ ہے۔ اس ملعون قوم نے ان دونوں نظاموں کو تشکیل دی۔ اور اپنے زور قلم سے عالم میں اسکو مقبول بنایا۔ اب پوری دنیا یہودی چکی کے ان دو پاٹوں میں (سرمایہ داری، کمیونزم) پسی جا رہی ہے۔ یہ ملعون قوم صرف اس معاشی فتنہ کی علمبردار نہیں۔ بلکہ تمام دینی فتنوں کا اصلی سرچشمہ بھی یہود ہیں ——..

عیسائی توحید پولوس یہودی

توحید جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصلی دین تھا، اسکو پولوس یہودی نے منافقانہ طور پر عیسائی بن کر تثلیث، کفارہ اور

الوہیت کی شکل میں تبدیل کیا۔ جسکی وجہ سے اصلی مسیحیت نے بگڑ کر جدید صنمیت کی شکل اختیار کی۔ تفصیل کے لئے الجواب الفصیح لما لفقہ عبد المسیح کو دیکھیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم اشتراکی نظام پر بحث کریں گے۔ اور آخر میں اسلام کا معاشی نظام یعنی اعتدالیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ تاکہ صحیح موازنہ کیا جا سکے۔

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

اسباب معاش اور وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کی حد تک کمیونزم نظریات کی جھلک دور قدیم میں بھی نظر آتی ہے۔ افلاطون جو چوتھی صدی قبل از مسیح میں گذرا ہے۔ جارج سول اپنی مشہور کتاب "عظماء کے معاشی نظریات" صفحہ ۵ پر افلاطون کا معاشی نظریہ نقل کرتے ہیں۔ افلاطون حکمران طبقے کے لئے اس سے زیادہ جائداد پر قابض رہنا مناسب نہیں سمجھتا تھا جسکی بناء پر ان کا گذارہ ہو سکے۔ اس کے نزدیک جائداد کی مشترکہ ملکیت کا اصول عام طور پر رائج ہونا چاہیئے۔ ارسطو اپنے پیش رو افلاطون کے مقابلے میں زیادہ مبصر تھا۔ اس نے اپنے مشاہدے سے جو نظریات پیش کئے وہ دور جدید کے سائنس دانوں کے نظریات کا ابتدائی پرتو پیش کرتے ہیں۔ ارسطو نے سود پر روپے قرض دینے کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا۔ افلاطون کے برعکس ارسطو کی رائے یہ تھی کہ جائداد کی مشترکہ ملکیت نہ تو ممکن العمل ہے۔ اور نہ اسے انسانی طبائع سے کوئی مناسبت ہے۔ (جارج سول کی معاشیات صفحہ ۲۷)

رومی سلطنت

رومی سلطنت کا شیرازہ جب منتشر ہوا۔ تو تمام یورپ میں جاگیرداری کا نظام قائم ہوا۔ اور جاگیرداروں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا۔ جو پیداوار زمین میں حسب مراتب حصہ دار تھے۔ اور ہر بڑا جاگیردار چھوٹے جاگیرداروں سے مقرر حصہ وصول کرتا ہے۔ اور غلاموں اور مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اس نظام میں جاگیردار کمزور طبقے پر بے حد ظلم کیا کرتے تھے۔ جس کے ازالے کی کوئی صورت نہ تھی۔ کیونکہ اقتدار جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کا مفاد مشترک تھا۔ کلیسا کو اگرچہ پورے یورپ پر اقتدار تھا۔ اور انہوں نے دنیوی حکمرانوں کیساتھ حصول اختیارات میں مقابلہ بھی شروع کیا۔ اور سابق دور کے

برخلاف کہ روپیہ صرف مبادلہ کا ذریعہ ہے۔ یعنی روپیہ اس لیئے ہے کہ اسکے ذریعے جنس خرید لیا جائے۔ نہ یہ کہ خود اسکو جنس بناکر پیداوار دولت کا ذریعہ قرار دیا جائے۔ کلیسا کا پیشوا اکوئی جو قبل ازیں ارسطو کیطرح سود کی مذمت کرتا تھا۔ اس نے یورپی معاشیات میں مندرجہ ذیل صورتوں میں سود وصول کرنے کو جائز قرار دیا۔

۱۔ روپے قرض دینے والا نفع حاصل کرنے کے مواقع سے محروم ہوجائے۔
۲۔ قرضہ دینے والے کو نقصان یا صدمہ پہنچے۔
۳۔ قرض لیا ہوا روپیہ ادا نہ ہوسکنے کی صورت میں نقصان کا خطرہ۔
۴۔ قرض روپے کی ادائیگی مدت مقررہ سے تاخیر۔

اس مذہبی فتویٰ نے یورپ میں سودی کاروبار کو فروغ دیا۔ جس سے غریب طبقے پر خاص ضرب پڑی۔ پہلے وہ جاگیردارانہ نظام کے بوجھ کے نیچے پس رہے تھے۔ اب سودخواری کا حملہ بھی شروع ہوا۔

صنعتی انقلاب

یورپ میں جب سائنس کی بدولت صنعتی انقلاب آیا۔ اور بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے۔ تو جاگیرداروں نے صنعت کو زیادہ نفع بخش سمجھ کر دولت کو کارخانوں پر صرف کرنا شروع کیا۔ اور اس طرح ایک حد تک جاگیردارانہ نظام صنعتی نظام میں تبدیل ہوا۔ یہ نظام برابر غیر متوازن چلتا رہا۔ اور کارخانے کی تیارشدہ اشیاء کے منافع میں مزدور کو صرف قوت لایموت ملتا تھا۔ اور اسی کی محنت سے بنائی ہوئی مصنوعات کی باقی سب آمدنی مالک کارخانہ ہڑپ کر جاتا تھا۔ اور چونکہ یہی کارخانہ دار حکومت میں صاحب اقتدار تھے۔ تو اُن کی نفع اندوزی کی حرص کا اثر صرف مزدور طبقے پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ من مانے نرخ مقرر کرکے اشیاء صرف لاگت سے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے۔ جس سے مزدوروں کے علاوہ دیگر عوام کی معاشی زندگی بھی متاثر ہوتی تھی۔ مارکس کے استاذ ہیگل نے اس بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور دیگر افراد نے بھی کوشش کی۔ کہ کارخانوں میں تیارشدہ اشیاء کی لاگت سے زیادہ قیمت مالک اور مزدوروں میں برابر تقسیم ہو۔ لیکن اس نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اب سرمایہ کا پیٹ اتنا پھولا کہ اس سے طبعی طور پر کمیونزم کا بچہ پیدا ہونا ناگزیر ہوا۔ چنانچہ اب اس نظریاتی تحریک نے عملی بلکہ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کی۔ ہیگل خود اس فلسفہ کا موجد ہے۔

کہ ہر مثبت ایک دعوٰی ہے۔ اور ہر منفی اس کا جواب دعوٰی ہے۔ اور مثبت اور منفی کے بعد تطبیق رونما ہوتی ہے۔ یہ نظریہ ہیگل کے نزدیک مادیات، روحانیات، عقائد و اعمال سب پر حاوی ہے۔ سرمایہ داری نے فرد کا حق ثابت کیا۔ اور جماعت کا حق نظرانداز کیا۔ کیمونزم نے شخصی اور انفرادی ملکیت کی نفی کی۔ اور جماعت کو ترجیح دی۔ بقول ہیگل اب ان دو نظریات متناقضہ کے بعد تطبیقی نظریہ کی ضرورت ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ وہ تطبیقی اور اعتدالی نظریۂ معاشیات اسلام کا ہے جس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کارل مارکس

یہ جدید اشتراکیت کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اور موجودہ اشتراکیت مارکسزم کا دوسرا نام ہے۔ جارج سول کے قول کے مطابق اس کے والدین یہودی تھے۔ ۱۸۱۸ء میں جرمنی میں پیدا ہوئے۔ ہیگل کی نگرانی میں اس نے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ اس نے راس کیپٹل یعنی "سرمایہ" نامی کتاب کی پہلی جلد ۱۸۶۷ء میں شائع کی۔ اس کتاب کی دوسری اور تیسری جلد مارکس کی وفات ۱۸۸۳ء کے بعد شائع ہوئی۔ مارکس تنگ دستی میں دن کاٹتا تھا۔ کچھ مالی امداد اینجلز دیتا تھا۔ اگرچہ مارکس کی بہت سی پیشگوئیاں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے متعلق غلط نکلیں۔ لیکن اس نے اپنے نظریات کی اشاعت کر کے ایک بااثر جماعت کو ہمنوا بنایا۔ ان نظریات نے اگرچہ اس کے دور میں ایک عظیم حکومت کی شکل اختیار نہیں کی۔ لیکن ان نظریات کے ایک دوسرے داعی کہ وہ بھی یہودی تھے۔ ان نظریات کو روس میں ایک کمیونزم حکومت کی شکل دی۔ جس نے دین کی مخالفت کو بھی صرف اس لئے اپنے نصب العین میں شامل کیا۔ کہ برسر اقتدار کیمونزم طبقہ نے جس کے تمام ممبران کی تعداد ۳۶ لاکھ سے زیادہ نہ تھی، یہ محسوس کیا کہ دین پر یقین رکھنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ کہیں دین پرستوں کی اکثریت انقلاب برپا کر کے ان سے اقتدار نہ چھین لے۔ اس لئے محکمہ تعلیم اور نشریات کے تمام وسائل کو کام میں لا کر انہوں نے دین کی مخالفت میں پروپیگنڈا شروع کیا۔ اور کہیں کہیں انہوں نے جبر سے بھی کام لیا۔ تاکہ اگر موجودہ نسل پوری کیمونسٹ نہ ہو۔ تو حکومت کے بے پناہ وسائل کے اثر سے آئندہ نسل کی تربیت ایسی ہو۔ کہ وہ دین سے بیگانہ ہو کر کیمونزم کے سانچے میں پوری طرح ڈھل جائے۔ اور ارباب اقتدار کی نظریاتی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو سکے۔ اگرچہ مزدوروں کی حمایت کے نام سے ان کی حاصل کی ہوئی حکومت میں مزدوروں کے حصہ میں ملک کی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ تین فیصد حصہ آیا۔ باقی پر حکومت قابض ہوئی۔ اور مزدوری کی اجرت میں برائے نام اضافہ

بھی کر دیا گیا۔ لیکن اشیاء صرف پر حکومت کا قبضہ تھا۔ اس نے ایک طرف اجرت میں اضافہ کیا گیا۔ گویا مزدوروں کو ایک ہاتھ سے جو دیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لیا گیا۔ اسکی دلیل دورۂ روس کے بھارتی وفد کے صدر کستورا بھائی لال جی کا پارلیمنٹ میں وہ بیان ہے۔ جو نوائے وقت لاہور کی اشاعت ۳ر جنوری ۱۹۵۵ء میں درج ہے۔ صدر وفد دورۂ روس نے کہا۔ کہ روس میں معیار زندگی پست ہے۔ کیونکہ ایک پاؤنڈ (ڈیڑھ پاؤ) مکھن کی قیمت ۲۱ روپے ہے۔ ایک قمیض کی قیمت ایک سو بیس روپے ہے۔ ایک سائیکل کی قیمت سات سو اسی روپے ہے۔ اس لئے کم لوگ، سائیکل رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے اسی روپیہ ماہوار کمانے والے شخص کا گذارہ روس کے اس شخص سے جو ہزار روپے ماہوار کماتا ہے، اچھا ہے۔

کمیونزم کی تباہیاں

خونریزی اس تحریک کی ابتداء انسان کی تباہی پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ روس میں قیام کمیونزم کیلئے انیس[۱۹] لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ بیس[۲۰] لاکھ کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ اور پچاس[۵۰] لاکھ کو جلاوطنی کی سزائیں دی گئیں۔

۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء میں پیرس کی اتحادی اسمبلی میں چینی نمائندہ نے رپورٹ پیش کی۔ کہ کمیونزم قائم کرنے کے لئے چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا (رپورٹ مندرجہ انجام ۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

معاشی تباہی اس تحریک کا مقصد انسانوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا۔ اس لئے کمیونسٹ حکومتوں نے ذرائع معاش پر قبضہ کیا۔ لیکن درحقیقت انہوں نے تمام سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دیدیا۔ گویا متعدد سرمایہ داروں کو ایک سرمایہ دار میں تبدیل کیا۔ جو کمیونسٹ حکومت ہے۔ متعدد سرمایہ داروں میں عوام کے لئے یہ سہولت تھی۔ کہ اگر ایک سرمایہ دار کیطرف سے اُن پر ظلم ہو تو دوسرے سرمایہ دار کیطرف رجوع کریں۔ اور اس کے ہاں نوکری یا مزدوری اختیار کریں۔ لیکن جب سرمایہ دار صرف ایک ہو۔ یعنی حکومت، تو عوام ظلم کی صورت میں کہاں جائیں گے ——— سرمایہ داروں کے مظالم کے ازالہ کے لئے عوام عدالت اور حکومت کی طرف رجوع کر کے ظلم کا انسداد کر سکتے تھے۔ لیکن جب واحد سرمایہ دار خود حکومت ہو تو اس کے ظلم سے بچاؤ کی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی ——— سرمایہ داروں

کے مظالم سے نجات کیلئے نشر و اشاعت کے ذریعے احتجاج اور مظاہروں کی شکل میں عوامی رائے پر اثر ڈال کر ظلم کا ازالہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن کمیونسٹ حکومت جو واحد سرمایہ دار ہے۔ اس میں یہ صورت بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ ذرائع نشر و اشاعت حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ اور ہر احتجاج اور مظاہرہ خلافِ قانون ہے ۔۔۔ ہڑتال کر کے مزدور سرمایہ داروں سے اپنے حقوق منوا سکتے تھے۔ لیکن جہاں روٹی خود حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ وہاں ہڑتال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہڑتال کرنے کی صورت میں ہڑتال کرنے والے روٹی کہاں سے کھائیں گے ۔۔۔ بظاہر اس تحریک کو مزدور تحریک کا نام دیا گیا۔ لیکن مزدوروں کی کمائی میں سے صرف ان کو تین فی صد حصہ ملتا ہے۔ باقی ہر سرمایہ دار کمیونسٹ حکومت قبضہ کرتی ہے۔ (دیکھئے "سرمایہ دار اور اشتراکیت" ص ۵۳)

معاشی ترقی میں رکاوٹ
کمیونزم معاشی ترقی کے خلاف ہے

یہ تحریک فطرۃً معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ معاشی ترقی کا مدار شخصی منفعت کا جذبہ ہے۔ معاشی ترقی جوشِ عمل و محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کے لئے انسانی فطرت میں محرک اسکی شخصی ملکیت اور شخصی منافعہ اور فوائد میں اضافہ ہے۔ ہر آدمی فطرۃً یہ چاہتا ہے۔ کہ دوسروں سے زیادہ محنت کر کے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے۔ اور اپنے املاک میں اضافہ کر دے اگر اس جذبہ کو ختم کیا جائے اور ذرائع معاش سے بذریعہ محنت کمائی ہوئی دولت پر حکومت یا سٹیٹ کا قبضہ ہو، تو تعمیلِ حکم میں آدمی محنت تو کرے گا۔ لیکن یہ محنت اس رضا کارانہ محنت سے یقیناً کم ہوگی۔ جو جذبۂ اضافہ ملکیت کے تحت ہو۔ خواہ محنت کرنے والے کو حکومت کی طرف سے ضروریاتِ حیات کا انتظام کیوں نہ ہو۔ کیونکہ صرف ضروریاتِ حیات کا جذبہ اکتساب دولت اور معاشی جد و جہد کا اصلی محرک نہیں۔ بلکہ اصلی محرک جذبہ اضافہ ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ نظام نے اس غلطی کا احساس کر کے کمیونزم کے سابق نظریات میں ترمیم کر کے ایک حد تک شخصی ملکیت کو برقرار رکھنے کی اجازت دیدی۔ غیر فطری تحریکات کا انجام یہی ہوتا ہے۔

کمیونزم شرفِ انسانیت کا توڑ ہے

انسان کی اصلی شرافت اس کی حریّتِ فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریّت نہ ہو تو انسان مقامِ شرفِ انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ حیوانی زندگی کیا ہے۔ حیوان مثلاً گھوڑے بیل کا اپنا اختیار نہیں۔ وہ ہمارے اختیار کے مطابق چلتا ہے۔ جو کام ہم اس سے لینا چاہیں وہی انجام دیتا ہے۔ اور پھر ہم اسکو گھاس دانہ کھلاتے ہیں ۔۔۔ کیمونزم عوام سے اسی طرح کام لیتا ہے۔ جیسے انسان حیوان سے اور

پھر اس کے روٹی کپڑے کا بندوبست کرتا ہے۔ کمیونزم سٹیٹ کے آگے انسان کے فکر و عمل کی آزادی اور اپنا منشار ختم ہو جاتا ہے۔ اور سٹیٹ کے منشار کو پورا کرنا اس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ انسان کی صورت میں حیوان بن کر سٹیٹ کے منشار کی تکمیل کے لئے کام کرتا ہے۔ اور اس کے عوض میں روٹی کپڑا حاصل کرتا ہے۔ کمیونزم نے حقیقی خدا کا تو انکار کیا۔ لیکن سٹیٹ اور حکومت کے چند با اقتدار افراد کو خدا بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ جو حقیقی خدا سے بغاوت اور اپنے جیسے عاجز مصنوعی خدا کی اطاعت گذاری کی ایک خود ساختہ شکل ہے۔ ان دونوں خداؤں میں بڑا فرق ہے۔ اصلی خدا جان اور روزی دیتا ہے۔ اور مصنوعی خدا نان دے کر جان چھینتا ہے۔ جان سے مراد شرف انسانیت ہے۔

آں خدا نانے دہد جانے دہد   ایں خدا نانے دہد جانے برد
آں خدا یکتا است ایں صد پارہ   آں ہمہ چارہ و ایں بے چارہ

کمیونزم کی بنیاد نفی پر ہے۔ اثبات پر نہیں۔ حالانکہ صرف نفی سے تسکین قلب نہیں ہوتی جب تک اصلی خدا کا اثبات نہ ہو جو دلوں کے لئے سہارا بن سکے۔ اگر یہ سہارا اٹھ جائے۔ تو انسانِ ضعیف کی پر آلام و مصائب زندگی کے لئے کوئی سہارا باقی نہیں رہتا۔ کمیونزم کا یہ حال ہے کہ بقول اقبالؒ:

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ   لاسلاطین لاکلیسا لاالٰہ
فکرِ او در تند بادِ لا بماند   مرکب خود را سوئے الّا نراند

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے۔ تو کمیونزم کے یہ تین منفی ستون بھی غلط ہیں "لاالٰہ" میں اصلی خدا قادرِ مطلق کا تو انکار ہے۔ لیکن کمیونزم میں حکمران جو کہ عاجز انسان ہے۔ اسکی خدائی کا اقرار ہے۔ یعنی ذات قوی کی خدائی سے انکار اور ضعیف، عاجز اور فانی کی خدائی کا اقرار ہے۔ اس طرح "لاسلاطین" میں چھوٹے بادشاہوں کا انکار ہے۔ لیکن "سٹیٹ حکمران" ایک بڑے سلطان کی سلطانی کا اقرار ہے۔ اور بقول ے چھوٹے سانپوں کو ہٹا کر ایک بڑے اژدہا کو ان کی جگہ مسلّط کرنے کا اقرار ہے۔ لاکلیسا میں مذہب کا انکار ہے۔ یعنی اصلی اور خدائی مذہب کا تو انکار ہے۔ لیکن خود ساختہ مصنوعی انسانی مذہب کا اقرار ہے۔ جو خود کمیونزم کے اصول ہیں۔ جن کو انہوں نے مذہب سے بڑھ کر اپنے لئے لائحہ حیات بنایا ہے۔

کمیونزم فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے

اشتراکی مفکرین کے نظریات کا خلاصہ افراد میں مصنوعی مساوات پیدا کرنا ہے۔ اگرچہ یہ بھی صرف پروپیگنڈا ہے۔ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ "رسالہ فریڈم فرسٹ" کی رپورٹ

مندرجہ "پاسبان" کوئٹہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۲ء میں ہے۔ کہ "اسٹالین کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ روبل یعنی تقریباً نو لاکھ روپیہ پاکستانی ہے۔ اور اشیاء ضرورت اس کو اصل لاگت سے اسی فیصد کم قیمت پر ملتی ہیں۔ دیگر اخراجات سرکاری ہیں" کیا یہ رعائتیں روس کے تمام افراد کو حاصل ہیں۔ یہ روسی حکمران مدعی مساوات کا حال ہے۔ لیکن اسلامی خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی سالانہ تنخواہ عوام کے اضافہ تنخواہ کے اصرار کے باوجود دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ سالانہ پاکستانی سکہ سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ سلطان عالمگیرؒ خزانہ کو عوام کا حق سمجھ کر تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ حکومتی مصروفیات سے فارغ وقت میں قرآن نویسی سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ لیکن اگر اس مصنوعی غیر واقعی دعویٰ کو اگر فطرت کے اصول پر جانچا جائے تو یہ اصول فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ رزق اور مال دو ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک قوت فکریہ یعنی دماغی قوت سے دوم قوت عملیہ یعنی بدن کی طاقت سے، اہل قلم، وکلاء، وزراء مدبرین وغیرہ ذہنی اور دماغی قوت سے مال حاصل کرتے ہیں۔ اور مزدور کسان وغیرہ بدنی قوت سے۔ خالق کائنات نے افراد انسانی میں یہ دماغی اور بدنی دونوں قوتیں مساوی نہیں رکھیں۔ بلکہ کسی حکمت کی وجہ سے متفاوت رکھی ہیں۔ نہ سب انسان ذہن، عقل اور دماغی قوت میں برابر ہیں۔ اور نہ ہی بدنی قوت میں۔ تو جب علت اکتساب رزق میں فطرۃً تفاوت ہے۔ تو اس کے آثار و نتائج میں بھی ضرور تفاوت ہوگا۔ کوئی زیادہ مال کماتا ہوگا، کوئی کم۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں دیگر فطری امور کیطرح انسانی افراد میں مالی تفاوت برابر قائم رہا ہے۔ کیونکہ وہ فطرۃً ان دو عملی اور بدنی قوتوں کے تفاوت کا نتیجہ ہے۔ بسا اوقات ایک باپ کے دو بیٹے آبائی جائداد آپس میں برابر تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن چند سال کے بعد ایک بیٹا اصل سرمایہ کھو دیتا ہے۔ اور دوسرا آبائی سرمایہ میں اضافہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ دونو بیٹوں کے فطری تفاوت نے نتائج کا یہ تفاوت پیدا کیا۔ اور وراثتی مساوات کو توڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مصنوعی معاشی مساوات فطرت کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ فطرت جلد اسکو توڑ دیتی ہے۔ بنا براں اشتراکیت کی مصنوعی مساوات فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے۔ اُنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۔۔ (دیکھو کہ کسطرح انسانوں کے رزق میں ہم نے تفاوت رکھا ہے۔ قرآن)

اشتراکیت انسانی اخوۃ کے خلاف جنگ ہے

اشتراکیت اور کیمونزم انسانوں کے دو طبقوں میں دوامی عداوت اور دشمنی کا بیج بوتا ہے۔ اور ایک طبقے کو دوسرے سے لڑاتا ہے جس سے انسانی اخوۃ اور معاشرہ

پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ انسانی افراد کی محبت باہمی، عداوتِ باہمی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جس طبقہ کو قوت حاصل ہوتی ہے، وہ دوسرے طبقہ کے خون بہا دینے کو نیک عمل قرار دیتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی انسانی آبادی کو ان دو خلافِ فطرت نظریات (سرمایہ داری اور کمیونزم) نے دو عظیم بلاکوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر بلاک اسلحہ سازی کی دوڑ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس ایٹمی دور میں ان دونوں بلاکوں کے درمیان جنگ ہو جو ناگزیر ہے۔ تو انسانوں کی اکثر آبادی خاکستر کا ڈھیر ہو جائے گی۔ اور صدیوں کی تعمیر ان دونوں غیر فطری نظریات کی پیدا کردہ جنگ کی وجہ سے خاک کا تودہ بن کر رہ جائے گی۔ (باقی آئندہ)

صٓ۲ سے آگے :-

پہلے آپ کے کمالات بیان فرمانے لگے تو آپ نے یعنی شاہ صاحبؒ نے فوراً ان کو بٹھا دیا۔ اور فرمایا کہ بھائی انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے۔ ہم ایسے نہیں ہیں۔ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے۔ ہم اس سے بھی گئے گذرے ہیں — جب یہ بات مجمع نے سنی تو سب چیخیں مار اٹھے۔

★ — احقر محمد لائلپوری عفا اللہ عنہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری دونوں بطور مختار کام کر رہے تھے۔ ہمارے واسطے بھی سرکاری طور پر بہاولپور میں دو کرسیاں بچھائی گئی تھیں حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے ہم کیسے کرسیوں پر بیٹھتے۔ پھر جبکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے احقر کو حوالہ نکالنے پر مقرر فرمایا تھا۔ تو اس وقت حافظہ حضرت کا دیکھ کر تعجب ہوا کہ کتاب کا صفحہ تک بتلاتے تھے۔ کیونکہ جج صاحب خود حوالہ دیکھ کر آگے چلتے تھے۔ جلال الدین شمس اور غلام احمد مجاہد دونوں قادیانیوں کی طرف سے نمائندہ تھے۔ ان کے لئے بھی کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ جس روز حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان شروع ہوا تو میں اور مولوی اسعد اللہ صاحب تو کھڑے رہے وہ مرزائی بھی دونوں کھڑے ہی رہے۔ چنانچہ پانچ روز ایسا ہی ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے آرام کرسی جج صاحب نے بچھائی تھی کیونکہ ان دنوں حضرت بیمار تھے۔

★ — بہاولپور کا قصہ ہے جلال الدین شمس جو کہ قادیانی کا نمائندہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے بیان کے وقت وہ بھی حاضر تھا۔ اس کی عادت تھی۔ بہت اونچا اونچا بولتا تھا۔ چنانچہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے بیان میں اس نے بہت شور مچایا۔ مولانا محمد شفیع صاحب کے بیان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب حضرت شاہ صاحب کا بیان ختم ہوا تو احقر چونکہ مدعیہ کی طرف سے بطور مختار کام کرتا تھا۔ احقر نے جلال الدین سے پوچھا کہو مزاج کیسے ہیں وہ حیران ہو کر۔ پوچھنے لگا کہ مزاج کیوں پوچھتے ہو۔ میں نے کہا آج تو اذا الشمس کوّرت ہو گیا یا نہیں وہ بڑا ہی نادم ہوا۔

ضبط وترتیب ادارۃ الحق

ازافادات حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اہل السنت والجماعت کتاب وسنت کی روشنی میں

(دارالعلوم حقانیہ اور دارالعلوم دیوبند کا مسلک)

یہ تقریر دارالعلوم حقانیہ کے جلسۂ دستاربندی کی پہلی نشست میں (بروز ہفتہ ۲ر رجب بعد از نماز ظہر) ہوئی۔ جو اس وقت ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لی گئی۔ اب اسے قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ ایسے نازک موضوع پر حضرت مولانا مدظلہٗ نے جس انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس سے عصر حاضر کے تمام دینی فتنوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ (ادارہ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (الآیۃ)

یہ آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کی طرز اور نمونہ کا ایک مدرسہ ہے۔ اور یہ اسکی دستاربندی کا جلسہ ہے۔ تو میری ہمت حاضری کی نہیں تھی۔ مگر ہمارے محترم بھائی حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے اصرار سے میں حاضر ہوگیا۔ دیوبند کا میں بھی مدرس رہا۔ اور آپ بھی دونوں ایک ہی مدرسہ میں مدرس رہے۔ اس تعلق سے مجبور تھا۔ اب تردد یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس علاقہ کے میری زبان کو شاید نہ سمجھیں۔ تو اس لئے میرا ارادہ یہ ہوا کہ ایک مضمون جو دستاربندی کئے جانے والے طلباء اور فضلاء اور دارالعلوم کے اساتذہ اور مدرسین اور اہل علم کے کام کا عرض کروں کہ آئندہ چلکر بصیرت ہو۔

پہلے اپنے مضمون کا اجمالی بیان کروں گا۔ پھر آیت کی تفصیل کروں گا۔ دارالعلوم دیوبند ہو یا دارالعلوم حقانیہ ہو، دونوں اہل سنت والجماعت کے مسلک پر ہیں۔ اور جو اہل سنت والجماعت کا علم ہے، اسکی تعلیم و تلقین میں یہ دونوں مدرسے مشغول ہیں — تو میرا خیال ہوا کہ اس وقت جو ہم لوگ

اہل سنت والجماعت کے نام سے مشہور ہیں۔ اس اہل سنّت والجماعت کے معنی بتلا دوں۔ اپنے طالب العلموں اور دار العلوم سے فاضل و فارغ ہونے والے بھائیوں کو۔ اور یہ بتلا دوں کہ اس علم کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے تاکہ بصیرت کا سامان بن جائے۔ تو اولاً یہ جو لقب "اہل سنت والجماعت" کا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ بتلا دوں۔ پھر آیت کی تقریر کروں گا۔ تاکہ انطباق معلوم ہو جائے۔

اہل سنت والجماعت یہ وہ لفظ ہے جسکو ہم بطور لذّت اور بطور فخر نعمت کے استعمال کرتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ہم اہل سنت والجماعت میں سے ہیں۔ تو اہل سنت والجماعت دو لفظ ہیں۔ ایک سنّت کا لفظ ہے۔ ایک جماعت کا۔ سنت کے معنی ہیں نبی کریمؐ کے طریقے۔ اور جماعت سے صحابہ کرام کی جماعت مراد ہے۔ تو اہل سنت وہ لوگ ہوئے جو نبی کریمؐ کے طریقے پر اور صحابہ کرام کی جماعت اور گروہ کے نقش قدم پر ہے۔۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بھی بہت سے فرقے ہوئے۔ اور میری امت کے اندر ۷۳ فرقے ہوں گے۔ سب کے سب ناری ہوں گے۔ مگر ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک فرقے والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ما انا علیہ واصحابی۔ وہ فرقہ ناجی ہوگا۔ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہے۔ تو ما انا علیہ سے نبی کریمؐ کی سنّت اور ما علیہ اصحابی سے مراد ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ کا طریقہ۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ یہ جو اہل سنت کا لفظ ہماری زبانوں پر ہے اور ہم اسکو استعمال کرتے ہیں، سب سے پہلے یہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں ابن عباس کی زبان سے نکلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقاتہٖ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو حق ہے اس کے ڈرنے کا۔)

نہ کسی نبی سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ نہ کسی فرشتے اور نہ جبرئیل و میکائیل سے۔ تو حق تقاتہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ عظمت و جلال کا جتنا تقاضا ہے۔ اس کے مطابق جتنا ہو سکے اس کے ڈرنے کے اندر کمی مت کرو۔ اور ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ (اور مت مرنا مگر اسلام کی حالت میں۔ مرتے دم تک) اور آگے فرمایا: ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ مت مرنا مگر اسلام کی حالت میں، مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔ یہ دو ہدایت ہوئی تقویٰ کی ہدایت ہو گئی۔ اور ایمان پر قائم رہنے کی ہدایت ہوئی۔ اور آگے تیسرا لفظ کیا فرمایا واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً۔ اللہ کی رسی کو پکڑو مضبوط سب کے سب۔ اور ولا تفرقوا۔ آپس میں مختلف فرقے مت بناؤ۔ تو واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً کا جو لفظ آرہا ہے اللہ کی رسی اس کے معنی یہ ہیں کہ دین کی رسی اور

شریعت کی رسّی کو مضبوط پکڑو۔ اور قرآن میں ہے: فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ جس نے دین کی رسّی کو پکڑ لیا۔ لا انفصام لہا۔ وہ رسّہ اتنا مضبوط ہے کہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ انفصام کے معنی لغت میں انقطاع کے ہیں۔ تو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ ایک دن فرما رہے تھے۔ کہ وہ رسّہ ٹوٹ تو نہیں سکتا۔ لیکن اگر غفلت ہوئی اور مضبوط نہ پکڑا تو ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے۔ تو مختصر طریقے سے سمجھ لو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو اتحاد کا حکم دیا۔ دوسرا اختلاف نہ کرنے کا۔ آجکل لوگوں کی زبان پر یہ ہے۔ کہ صاحب تفرقہ مت ڈالو۔ ولا تفرقوا۔ تو اس کے معنی یہ نہیں کہ دنیا میں اختلاف نہ پیدا کرو۔ اور یہ کسی کی قدرت و اختیار میں نہیں کہ دنیا میں اختلاف باقی نہ رہے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں واعتصموا۔ حق پر مضبوط اور متفق رہو۔ ولا تفرقوا۔ اللہ کی رسّی سے علیحدہ مت ہو جاؤ۔ تو جو اللہ کی رسّی سے جدا ہو جائے۔ وہ تفرقہ کا مجرم ہوگا۔ اور وہ شخص اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے تفرقہ کا باعث نہیں ہے۔ تو لوگ جو یوں کہتے ہیں تفرقہ ڈالا اسکی مثال یوں سمجھو کہ حکومت کہتی ہے۔ کہ متفق ہو کر رہو۔ اور تفرقہ مت ڈالو ملکوں میں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ ملک میں تفرقہ قائم نہ کرو کہ قانون حکومت پر متفق نہ ہوں اور قانون حکومت کے خلاف مت کرو۔ اور اگر کوئی شخص قانون حکومت کے خلاف کریگا، تفرقہ ڈالنے والا سمجھا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس کا رد کریگا۔ تو وہ حکومت کا معین و مددگار سمجھا جائے گا۔ نہ کہ مخالف اور اسکو یوں نہیں کہا جائیگا کہ تفرقہ ڈال رہا ہے۔ تو قانون حکومت پر متفق ہونا، یہ ہے اتفاق۔ اور قانون حکومت سے خلاف کرنا یہ ہے تفرقہ۔ تو قانون شریعت پر جو متفق ہیں وہ لوگ، تو اللہ کی رسّی کو پکڑنے والے ہیں۔ اور جو قانون شریعت کے خلاف کوئی تقریر یا تحریر لکھتے ہیں وہ تفرقے کے مرتکب اور مجرم ہیں۔ نہ کہ وہ علماء حق جو رسّی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں ۔۔۔۔

چور اگر متفق ہو جائیں اگر ڈاکو متفق ہو جائیں، تو کیا یہ اتفاق کچھ پسندیدہ کہلایا جائے گا۔؟ آجکل حکومت ہی کے عہدہ داروں میں ایک گروہ ہے جو متفق ہو گیا ہے رشوت لینے پر۔ تو کیا ان کا یہ اتفاق پسندیدہ ہے۔؟ چند آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ولا تکونوا کالذین تفرقوا۔ اے مسلمانوں ان لوگوں کے (یعنی اہل کتاب کے) مشابہ مت ہو۔ جنہوں نے دلائل واضحہ کے بعد اللہ کے احکام میں اختلاف کیا اور فرقے فرقے بن گئے۔ جیسے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس حکم واضح آچکا تھا۔ مگر انہوں نے اختلاف کیا۔ تو حکم واضح کے بعد جو اختلاف کرے وہ اس وعید میں داخل ہوگا۔ کہ اولئک لھم عذاب عظیم۔ آگے ارشاد ہے۔ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔ اور یاد رکھو اس دن کو کہ روشن ہوں گے بعض

چہرے اور بعض سیاہ۔ تو حضرت ابن عباس سے ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ کہ سفید چہروں سے مراد وجوہ اہل سنت اور سیاہ چہروں سے اہل بدعت ہیں۔ بدعت کے معنی یہ نہیں ہیں جو آجکل مخصوص کئے گئے ہیں بلکہ اس کے معنی دین میں ہر نئی بات نکالنے کے ہیں۔ جن لوگوں نے خارجیت کی بدعت نکالی وہ بھی، جنہوں نے رفض کی بدعت نکالی وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی بدعت کا دائرہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

ایک دفعہ امام غزالیؒ کا "احیاء العلوم" دیکھ رہا تھا۔ تو امامؒ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ کھانے کے بعد صابن سے ہاتھ دھونا بدعت ہے۔ میں گھبرایا کہ بھئی یہ کیسے بدعت کہا۔ تھوڑی دیر غور کیا تو معلوم ہوا کہ آدمی صابن کا استعمال کرتا ہے مرغن کھانوں کے بعد۔ تو امام غزالیؒ کا مطلب ہے کہ مرغن کھانے بدعت ہیں۔ صحابہ و تابعین کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ تو اولیاء اللہ کے ہاں بدعت اس درجے تک پہنچا تھا۔ بہت سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں اہل سنت ہونے کا۔ مگر صحابہؓ کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کے متعلق ایک کلمہ امام شاطبی کا نقل کئے دیتا ہوں اہل علم کو انشاء اللہ کام دیگا۔

اصول فقہ کی چار کتابیں ہیں۔ کتاب اللہ ۔ سنت ۔ اجماع اور قیاس تو سنت کے معنی ہیں وہ طریقہ دین کا جو ہم تک نبی کریمؐ سے پہنچا ہو۔ خواہ قرآن میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں، کہ حدیث میں آیا ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے خلفائے راشدین کی تو ایک سنت ہے نبی کریمؐ کی۔ اور ایک صحابہ کرام کی۔ اس کا بھی اتباع واجب ہے۔ تو یہ جو تعریف امام شاطبیؒ نے فرمائی اس پر عمل کرنا۔ اور اس کا اتباع کرنا مسلمان پر واجب ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز قرآن کریم میں مذکور نہیں حدیث میں مذکور ہے تو میں کیسے مانوں۔؟ سنت کا ماننا بھی دین کا جزء ہے۔ اور صحابہ کرام نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، چاہے قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کا ایک رسالہ ہے جو نور الانوار کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض لوگ عمل بالحدیث کے مدعی ہیں۔ مگر خلفائے راشدین کی سنت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت میں سے ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ نبی کریمؐ کی سنت کو بھی مانتا ہو۔ اور خلفائے راشدین کی سنت کو بھی۔ اگر نبی کریمؐ کی سنت کا کوئی قائل ہے اور خلفائے راشدین کی سنت کا نہیں تو وہ اہل سنت والجماعت میں سے شمار نہ ہوگا۔ یہ جملہ اس لئے عرض کیا کہ بہت سے لوگ اس زمانے میں یوں کہتے ہیں کہ ہم تو قرآن و حدیث کو حجت مانتے ہیں۔ اور چیز کو نہیں۔ تو مجھے یہ بتلانا ہے کتاب اللہ

کی شرح ہوتی ہے نبی کریمؐ کی سنت سے۔ یا ایسے ہی نبی کریمؐ کی سنت کی شرح اور مراد کھلتی ہے صحابہ کی سنت اور عمل سے۔ تو جیسے وہاں تفریق ممکن نہیں ویسے یہاں بھی۔ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ازالۃ الخفاء میں تصریح کی ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں جو بات طے ہوگئی وہ دین کا جزء ہے، اور تتمہ ہے شریعت کا۔ اور دلیل یہی آیت ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض۔ اس کا شان نزول یہ ہے۔ کہ صحابہ کرام جب ہجرت کرکے مدینہ گئے تو غسان جو علاقہ شام میں ایک ریاست تھی۔ صحابہ کو معلوم ہوا کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ تو صحابہ کرام پر ایک خوف طاری تھا۔ کہ بڑی طاقت اور حکومت ہے۔ مدینہ پر حملہ نہ کریں۔ تو صحابہ نے ایک دن عرض کیا: یا رسول اللہ ہم پریشان رہتے ہیں۔ اللہ سے دعا مانگئے۔ تو مذکورہ آیت تسلی کے لئے نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کرلیا ہے۔ مومنین اور عمل صالح کرنے والوں سے کہ تمہیں روئے زمین کی بادشاہت عطا فرمادیں گے۔

دوسرا وعدہ یہ کیا ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم۔ اور وہ جو زمانہ خلافت اور حکومت کا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ ان کے دین کو مضبوط کردیں گے کہ جو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً۔ اور خوف کے بعد ان کو امن عطا کردے گا۔ تو شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت راشدہ میں اللہ کا دین مضبوط ہوا اور وہ ایسا دین تھا جو ارتضیٰ لھم کا مصداق تھا۔ تو آیت کا مدلول یہ نکلا کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں جو بات طے ہوگی وہ دین ہوگی۔ اور پسندیدہ ہوگی اور جو اسے زمانے گا وہ دین سے اعراض کرے گا۔ آیت کے آخر میں تتمہ فرمایا۔ ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون۔ اور جو ناشکری کرے گا خلافت راشدہ کی نعمت کی وہ فاسق ہوں گے۔۔۔۔ تو خلافت راشدہ باعتبار دین اور دنیا دونوں کے مضبوطی کا باعث بنا۔ دین بھی مضبوط اور دنیا بھی۔ (باقی آئندہ انشاء اللہ)

ص۳۲ سے آگے:۔

اس مدرسہ کیلئے جو لوگ دامے درمے قدمے سخنے اعانت فرماتے ہیں۔ وہ اس کو اپنی نجات اخروی کا ذریعہ سمجھیں۔ اس دارالعلوم میں لگائی ہوئی پائی پائی آخرت میں کام آئے گی۔

حضرت مولانا نے بانئ دارالعلوم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی صحت کیلئے بھی دعا فرمائی اور اس طرح یہ جلسہ بہترین روحانی اور دینی برکات اور خوشگوار یادیں حاضرین کے دلوں پر ثبت کرتے ہوئے ختم ہوا۔۔۔۔۔۔

دعوات عبدیت حق

بخاری شریف

از

امام بخاریؒ

بخاری شریف کی آخری حدیث کی تشریح

مورخہ ۱۰ رجب کو مدرسہ عثمانیہ محلہ مدکٹ پی راولپنڈی میں ختم بخاری شریف حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے کرائی گئی۔ اس موقعہ پہ حضرت شیخ الحدیث کے ارشادات قلمبند کیے گئے۔ اس تقریب میں راولپنڈی کے کافی علماء، اربابِ مدارس اور معززین شہر بالخصوص جناب میر واعظ محمد یوسف شاہ صاحب سابق صدر آزاد کشمیر نے بھی شرکت کی اور حضرت مدظلہٗ کے گرانمایہ افادات سے سب محظوظ ہوئے۔

(قاری محمد امین ناظم مدرسہ عثمانیہ)

(خطبہ مسنونہ کے بعد) یہ کتاب صحیح بخاری علم حدیث کی ہے۔ حدیث کہا جاتا ہے اُن اقوال و افعال کو جن کی نسبت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔ حضورِ اقدسؐ کی زندگی کا ایک ایک حرف، ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (ہم نے قرآن اور دین کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔) دنیا کے اندر دیگر کتنے مذاہب اور ان کے معتقدین اور جان نثار موجود ہیں۔ مگر نہ یہود نے اپنے انبیاءؑ کے اقوال و افعال کو محفوظ کیا نہ عیسائیوں نے سوائے چند باتوں کے جو سند کے اعتبار سے ضعیف اور ساقط ہیں۔ حضور کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا کھانا پینا یہاں تک کہ قضائے حاجت کے آداب غرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو محفوظ نہ ہو۔ تقریباً گیارہ لاکھ احادیث مختلف سندات اور طرق روایات کے لحاظ سے کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ہمیں اگر اتنی جامع زندگی کے بارہ میں علم نہ ہو تو یہ ہماری کوتاہ نظری ہے۔ جیسا خداوندکریم نے حضورؐ کی زندگی کو قیامت تک آنے والی

نسلوں کے لئے اسوۂ حسنہ بنانا تھا، تو ضروری اور منشا حکمت ربانی کے عین مطابق تھا کہ غیب سے حضورؐ کی زندگی کی حفاظت کا ایسا ہی انتظام ہو جاتا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اس کا انتظام کر دیا۔ جن کتابوں میں حضورؐ کے اقوال و افعال کو جمع اور مرتب کیا گیا ہے۔ وہ کتب احادیث ہیں۔ اور اس علم کا نام فنِ حدیث ہے۔ اجماعِ امت ہے۔ کہ ان تمام کتابوں میں اہم اور کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری شریف ہے۔ قرآن کریم بھی خدا کی وحی ہے۔ اس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس کے ترتیب دینے والے اور معانی بتلانے والے بھی وہی ہیں۔ اور حدیث رسول بھی وحی ہے۔ وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ اس کا مضمون من اللہ اور الفاظ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ دونوں کی خدا نے حفاظت کی تو حدیث کا جو ذخیرہ بحمد اللہ مسلمانوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔ اس میں صحت کے لحاظ سے سب سے بڑا درجہ بخاری شریف کی روایات کا ہے۔ اس کتاب کی عظمت اور بلندی کا عجیب عالم ہے۔ ایک عالم محمد بن احمد مروزیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں دورانِ حج بیت اللہ کے رکن اور مقام کے درمیان مراقبہ میں تھا۔ آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ حضورِ اقدسؐ کے سامنے مؤدبانہ کھڑا ہوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تو کب تک امام شافعیؒ کی کتاب پڑھاتا رہے گا۔ میری کتاب کیوں نہیں پڑھاتا۔ انہوں نے پوچھا حضورؐ آپ کی کتاب کونسی ہے۔؟ فرمایا۔ الجامع الصحیح الامام البخاری۔ یعنی امام بخاری کی بخاری شریف۔ کیونکہ حضورؐ کو خواب میں جس نے دیکھا وہ خواب درست ہے۔ کیونکہ نبوت کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حق دیکھا۔ اور قیامت کے دن انشاء اللہ اسے حضورؐ کی زیارت ہو گی۔ اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا۔ تو شیطان کو یہ نہیں کہ خواب میں حضورؐ کی شکل اور پیرایہ اختیار کر سکے۔ تو اس خواب میں بخاری شریف کی نسبت حضورؐ نے اپنی طرف کر دی۔ اس سے بخاری شریف کی عظمت اور درجہ معلوم ہوتا ہے۔

ختمِ بخاری کی برکات

اس کتاب بخاری شریف کے ختم میں بے حد فوائد اور برکات ہیں۔ علماء نے اتفاق اور تجربہ سے لکھا ہے۔ کہ کوئی بڑی مشکل اور مصیبت پیش آئے اور مشکل حل کرنے کی نیت سے بخاری شریف کا ختم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرما دیتے ہیں۔ طاعون کی وبا ہو قحط ہو اور کسی گھر میں بخاری شریف کا ختم ہو جائے تو اس گھر میں طاعون کی وبا داخل نہ ہو گی۔ بارش نہ ہو تو اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ خشک سالی دور فرما دیتے ہیں۔ یہ حضورؐ کے اقوال ہیں۔ اور حضورؐ کی شان بھی تو وہ ہے جو آپ کے چچا حضرت ابو طالب نے بیان فرمائی ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامٰی عصمۃٌ للارامل

حضورؐ کی کمسنی کا زمانہ تھا آثار سعادت چہرہ انور سے نمایاں ہوتے تھے۔ بارش بند ہوئی۔ تو ابوطالب نے آپؐ کو دیوار کعبہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ اور کہا کہ اے اللہ اس پاک معصوم اور نورانی چہرہ کی برکت سے بارش برسا، اسی وقت بادل آئے اور بارش ہوئی۔ تو ابوطالب نے اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے شیخ جمال الدین بڑے عالم گذرے ہیں۔ وہ اپنے استاد اسمٰعیل الدین سے نقل کرتے ہیں۔ کہ میں نے اپنی زندگی میں ۱۲۰ مرتبہ مشکلات کے وقت ختم بخاری کو آزمایا۔ خدا تعالیٰ نے ہر مشکل آسان کر دی۔ آجکل تو منطق اور سائنس کا دور ہے۔ ہر بات کو بخت و اتفاق پر محمول کیا جائے گا۔ یہ ۱۲۰ مرتبہ تو بخت و اتفاق پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ دیوبند میں ہم تھے۔ وہاں ختم بخاری شریف کی فرمائش لوگوں کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ کسی کو ایک سخت مقدمہ پیش آیا۔ قتل کا ناجائز الزام تھا۔ مقدمہ لنڈن کے پریوی کونسل میں پیش تھا۔ جس دن پیشی تھی اُن کی فرمائش پر دارالحدیث میں ختم بخاری شریف شروع ہوا۔ تقریب ختم کے اختتام ہی پر بذریعہ تار اطلاع آئی لنڈن سے کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرما دی۔ یہ برکت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں جس محلہ میں دن رات تلاوت قرآن ہو۔ اور جہاں آج بخاری شریف کا ختم ہو رہا ہے۔ اور اس وقت آپ اس تقریب میں شمولیت کے لئے گھروں سے آئے ہیں۔ تو اس وقت سب طلبا دین کے زمرے میں شامل ہیں۔ اور طالب العلم کے لئے فرشتے ادباً کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ طالب دین کے لئے فرشتے اپنا پر بچھاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: من سلک طریقا یطلب فیہ علما سہل اللہ بہ طریقا الی الجنۃ ۔ جو شخص علم حاصل کرنے کی راہ پر چل پڑا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو جنت کا راستہ آسان کر دیں گے ۔۔۔ یہ ضروری نہیں کہ دیوبند کراچی لاہور اور اکوڑہ خٹک کا سفر کیا جائے بلکہ جس نے تھوڑا سا راستہ بھی حصول علم کے لئے طے کیا۔ چاہے کم کے لحاظ سے چاہے کیف کے لحاظ سے تحریر و تقریر سے یا امداد کے ذریعہ۔ تو اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیں گے۔

اس کتاب کی مقبولیت اور برکت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کتاب کو جمع کرنے والے جس کو مصنف کہا جاتا ہے۔ یعنی امام بخاری۔ ان کا علمی پایہ تو مسلّم ہے۔ مگر تقوی زہد ورع اور استغنا عن الخلق کے ساتھ احترام اور ادب کی عجیب کیفیت تھی۔ حافظہ بھی لاجواب تھا۔۔۔ آج چھوٹے چھوٹے بچے جو مادری زبان کا تلفظ بھی نہ کر سکیں۔ مگر قرآن کریم کے تیس پارے ان کو ازبر ہو جاتے ہیں۔ یہ قرآن کا معجزہ ہے۔ اور جن کا سینہ پاک نہ ہو۔ ان کو یاد نہیں ہو سکتا۔ معتزلہ اور خوارج اور دیگر فرق

قرآن کریم یاد نہیں کر سکتے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں کوئی انجیل یا بائیبل کا حافظ نہیں اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے قرآن یاد کر لیتے ہیں۔ تو اگر ہم چاہیں یا نہ چاہیں خداوند کریم کو جو کام کرنا ہو حفاظت دین کا وہ پورا فرمائیں دن نکلتا ہے۔ رات آتی ہے۔ تو کوئی نہ بھی چاہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے نظام کو چلاتے ہی ہیں۔ تکوینیات کو دفع کریں یا چاہیں کچھ نہیں ہوتا۔ یہی حال دین اور شریعت کا ہے کوئی چاہے یا نہ چاہے۔ قرآن کریم محفوظ ہوتا چلا آرہا ہے۔ قرآن کریم کی جتنی زیادہ مخالفت ہوگی۔ جتنا تصادم ہوگا اتنا ہی دین و شریعت کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔ یہ دنیا اضداد سے قائم ہے۔ یہ پانی اور آگ متصادم ہیں۔ اسکو انجن میں جمع کر دیا گیا، بیچ میں پردہ حائل ہے۔ مگر تصادم سے کتنا بڑا فائدہ ظاہر ہوا۔ تو مخالفت سے دین زندہ ہوتا ہے۔ اور ترقی کرتا ہے۔

ہمارے ملک میں ہندو اور انگریز موجود تھے تو دینداری زیادہ تھی۔ اب اتنی نہیں۔ وجہ یہ کہ مسلمان اپنے مقابلہ میں سکھ ہندو اور انگریز کو دیکھ کر غیرت اور حمیت میں آکر دین کا کام کرتے اور باطل کا مقابلہ کرتے اور نئی ہمت اور توانائی پیدا ہوتی۔ اب تو سب کچھ پاک ہو گیا ہے ــــ غرض دین کی مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اس سے دین کی تقویت اور شریعت کی حفاظت ہوگی۔ اگر مخالف سمت کی ہوائیں نہ چلتیں تو ہم سوئے رہتے۔ تو امام بخاری اور دیگر محدثین کو حفاظت حدیث کی غرض سے خداوند کریم نے عجیب و غریب حافظے عطا کئے۔ امام بخاری بچپن میں حدیث کے ایک درس میں شریک ہوئے۔ اس وقت علم حدیث کا ذوق و شوق بھی عجیب تھا۔ امراء، حکام اور عام لوگ اس کثرت سے حدیث کے حلقوں میں شرکت کرتے کہ استاد کی آواز پہنچنی مشکل ہو جاتی تو جگہ جگہ آواز پہنچانے کے لئے مستقل منادی مقرر کئے جاتے جسطرح نماز کی بڑی جماعت میں مکبرین امام کی تکبیرات کو منتقل کرتے ہیں۔ بعض محدثین کی مجالس میں چالیس چالیس ہزار دواتیں گنی گئیں جن سے احادیث کی کتابت ہوتی۔ امام بخاری بھی ایسے ہی ایک درس میں شریک ہونے لگے۔ طلبہ مذاق کرنے لگے کہ یہ بچہ کیا کرتا ہے۔ لکھتا بھی نہیں۔ تو کیا ضرورت ہے۔ سولہ دن تک لوگوں نے چھیڑ چھاڑ کیا۔ بالآخر تنگ ہو کر امام بخاری نے فرمایا ان سولہ دنوں میں آپ ۱۵ ہزار حدیث سن چکے ہیں اب اسے سنانے لگے۔ فرمایا پہلے دن یہ احادیث بیان ہوئی ہیں۔ اور سند کے ساتھ سنائیں۔ گویا ان دنوں ایک ہزار حدیث امام نے ایک ایک دن میں یاد کیں۔ اور یہ تھا بچپن کا زمانہ کہولت اور شیخوخت کا کیا حال ہوگا ــــ وہ یتیم تھے والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ ان کے والد اسماعیل بڑے عالم متقی تھے۔ کافی دولتمند تھے۔ مگر تقویٰ کی حالت یہ کہ وفات کے وقت فرمایا کہ بحمد اللہ میرے اس

مال میں ایک چونی بھی مشتبہ اور حرام کی نہیں۔ اور میں مطمئن ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس بارہ میں حساب نہیں لیں گے۔ اب یہ یتیم بچہ خدا نے دین کی خدمت کے لئے کھڑا کر دیا۔ پھر چھ لاکھ احادیث میں سے سولہ برس میں اس کتاب یعنی بخاری کا انتخاب کیا جسے اگر تمام احکام کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بجا ہوگا۔ سیاست کا مسئلہ ہو یا تاریخ کا، غزوات ہوں یا سیر۔ تجارت ہو یا سیاست۔ لغات ہوں یا تفسیر کے مسائل وہ آپ کو اس کتاب میں ملیں گی۔ معاملات، عبادات، تجارت، زراعت صلح و جنگ کے مسائل اس میں موجود ہیں۔ دنیا کی قومیں اس کی جامعیت کی قائل ہیں۔ امام بخاریؒ نے تقریباً ۷۲۷۴ احادیث کو اس میں جمع کر دیا۔ اگر اس میں سے مکرّرات نکالیں تو تقریباً ۴۰۰۰ اور تعلیقات ملائیں تو ۹۰۰۰ سے کچھ زائد احادیث اس میں موجود ہیں۔ پھر کتاب کو لکھا کس ادب و احترام سے اس کا افتتاح خانہ کعبہ میں خدا کے دربار میں باب کیف کان بدء الوحی سے فرمایا۔ پھر اس کے تراجم ابواب یعنی عنوانات مسجد نبوی کے روضۃ من ریاض الجنۃ میں روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر قلمبند فرمائے اور جب کسی حدیث یا ترجمہ لکھنے کا ارادہ کیا تو غسل کیا صاف کپڑے پہنے عطر لگایا پھر دو رکعت نفل پڑھے۔ اگر روضہ میں ہوتے تو حضورؐ کے سامنے مراقبہ ہو جاتے۔ جب اطمینان ہو جاتا تو اس کے بعد اس حدیث یا ترجمہ کو لکھا اس حساب سے گویا مصنّف نے کتاب کی تصنیف کے لئے ۹ ہزار غسل کئے اور اٹھارہ ہزار رکعت نفل پڑھے۔ یہ خداوند تعالیٰ کے انعام و اکرام کا شکریہ تھا۔ کہ خدا نے ایسے پاکیزہ کام کی ترتیب و تبویب کی توفیق دی۔ پھر اس تقویٰ کے ساتھ امام کی عجیب حالت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے پڑھا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک طالب علم نے اپنی داڑھی سے بال یا کوئی تنکا نکال کر پھینک دیا۔ امام خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی توجہ ہٹ گئی تو امام نے آہستہ سے اُسے اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیا۔ ایک دن اپنی داڑھی کا کوئی بال گر گیا تو اسے ہاتھ میں دبائے رکھا۔ اور فراغت درس کے بعد اسے مسجد سے باہر پھینک دیا۔ یہ تھی ادب کی شان کہ خدا کے گھر کی اتنی حرمت دل میں رہتی۔ امامؒ کے والد نے کافی دولت چھوڑی۔ امامؒ نے خود تجارت نہ کی مضاربت پر چلاتے رہے۔ یہ لوگ دولت کماتے تھے۔ مگر دین اور علم کی آبرو رکھتے اور علم کی لاج رکھتے۔

ایک دفعہ امام کا مال ایک شخص نے ۲۵ ہزار روپے میں لیا۔ اور رقم دینے سے انکار کرتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ گورنر بخارا کو کہہ دیں جو آپ کا معتقد بھی ہے۔ وہ اگر حکم دیدے تو رقم وصول ہو جائے گی۔ امامؒ نے انکار کر کے کتنا حکیمانہ جواب دیا۔ کہ گورنر کا رقعہ لے کر رقم وصول کر لوں تو

جائز تو ہے۔ مگر حاکم بھی کل مجھ سے اس کے بدلے کوئی ملمع کرے گا۔ اور اگر کوئی ایسی بات ہو جو خلافِ شرع ہو تو کیا میں اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تجارت میں حقوق اللہ اور شریعت کی پاسداری کتنی تھی۔ ایک دفعہ ان کا مال تجارت آیا مغرب کا وقت تھا بعض لوگوں نے ۵ ہزار نفع میں خریدنا چاہا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ رات گذرنے دیجئے وہ لوگ چلے گئے۔ صبح ایک شخص نے اس مال کو دس ہزار منافع پر خریدنا چاہا۔ امامؒ نے فرمایا نہیں بلکہ رات کو جن لوگوں نے بات کی تھی ان کو یہ مال دوں گا۔ کیونکہ اس وقت میں نے اقرار تو نہیں کیا۔ نہ لین دین کی بات کی مگر میرے دل نے یہ بات مان لی۔ اور میلان ہوا۔ کہ ان کو دے دوں گا۔ اس وجہ سے دس ہزار کی بجائے ۵ ہزار پر ہی دے دوں گا۔ یہ تھی معاملات میں ان کی خدا ترسی ——

ایک دفعہ بیمار ہوئے ڈاکٹر نے پیشاب ٹسٹ کیا اور بتایا کہ یہ تو کسی راہب کا پیشاب معلوم ہوتا ہے جس نے کبھی ترکاری نہ کھائی ہو۔ لوگوں نے امام سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ چالیس برس سے جو کی روٹی کھا رہے ہیں، ترکاری نہیں کھائی۔ ڈاکٹروں کے اصرار پر صرف شکر کے ساتھ اور ان میں صرف تین بادام کھانے پر آمادہ ہوئے۔ امام بخاری نے خود تو جو کی روٹی کھائی مگر ان ہی ایام میں ۵ سو روپیہ بلاناغہ حدیث پڑھنے والے طلبہ کو دیا کرتے تھے کہ علم کے لئے رحلت کرنے والوں کا درجہ انہیں معلوم تھا۔ ابراہیم بن ادھم جو مشہور عارف اور ولی گذرے ہیں۔ بادشاہت کو ٹھکرا کر فقر کو اختیار کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو روئے زمین پہ بلائیں اور آفات نازل نہیں ہوتیں تو یہ برکت ہے طلبہ علم کی علم کے لئے رحلت کرنے والوں کی۔ ابتدا میں طلب علم کے لئے امامؒ نے جو طول طویل سفر کئے اس میں بیشمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ درختوں کے پتے کھا کھا کر حضورؐ کے جواہرات کو جمع کیا ——

جب امامؒ بخارا تشریف لائے تو نو میل تک لوگوں نے استقبال کیا۔ اور ان پہ سونا چاندی نثار کیا۔ مگر حسد بڑی بلا ہے۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ علماء پر شیطان نے جھنڈا گاڑا ہے حسد کا۔ اور تاجروں پہ جھوٹ کا۔ تو امامؒ کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر بخارا کے بعض علماء اور حاکم ان سے حسد کرنے لگے کہ اب تمام ملک تو عملاً ان کا معتقد بن چکا ہے۔ پھر حکام پسِ پردہ جن طریقوں کو آزماتے ہیں۔ وہ عجیب ہوتے ہیں۔ حاسدین بھی خالد کے ساتھ مل گئے۔ اور کہا کہ یہ حدیث کی ایک بڑی کتاب کا مصنف ہے۔ حاکم کو سیاست اور جہانبانی کے اصول سیکھنے کے لئے بھی اس کا علم ضروری

ہے۔ اسطرح تاریخ اور مغازی کی بھی تمہیں خبر ہونی چاہیئے۔ تم انہیں حکم دو کہ بجائے مسجد میں پڑھانے کے یہاں آکر آپ کو اپنی کتاب پڑھائے۔ لیکن یہاں علم کی عزت کا سوال تھا۔ ایک مقولہ ہے ——— نعم الامیر علی باب الفقیر ——— فقیر کے دروازے پر امیر بھلا لگتا ہے۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ کتنا اچھا حاکم ہے۔ اور اگر مولوی امیر کے دروازوں پر حاضری دیتا رہے تو لوگ اسے ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے علم اور دین کی بے قدری ہوئی بئس الفقیر علی باب الامیر تو امام بخاریؒ نے حاکم کو جواب دیا کہ اگر میں آپ کے ہاں آؤں گا۔ آپ کہیں گے کہ ملکی کام میں لگا ہوں۔ فیصلے کرنے ہیں۔ مہمانوں سے ملاقات ہے باہر بیٹھ جاؤ۔ تو دین کی بھی بے حرمتی ہوگی اور میرے مشاغل کا بھی حرج ہوگا۔ پھر یہ کہ اسطرح حضورؐ کے علم کی تم بے ادبی کرو گے کہ خود اس کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکو پھر اس نے کہا کہ اچھا میرے بچوں کو پڑھایا کرو۔ مگر غریبوں کے بچوں کے ساتھ نہیں بلکہ الگ وقت میں، مگر آپ نے فرمایا کہ اسلام کی نعمت غریب و امیر کے لئے عام ہے۔ امیر و غریب کا اس تعلیم و تبلیغ میں امتیاز نہیں۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ میں شاہزادوں کی وجہ سے خدا کے دین سے کسی کو روک نہیں سکتا۔ امیر کو غصہ آیا اور بخارا سے شہر بدر وہاں سے نکلے اور "خرتنگ" نامی ایک قصبہ پہنچے جو سمرقند کے قریب ہے۔ وصال بحالت سفر اس جگہ ہوئی۔ امامؒ نے حاکم اور حاسدین کی شرارتوں سے تنگ آکر دعا فرمائی تھی۔ کہ اے اللہ یہ وسیع زمین مجھ پر تنگ ہوچکی ہے۔ اگر تجھ کو منظور ہو تو مجھے اٹھالے ——— ۲۵۶ھ عید الفطر کی رات کو ان کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد قبر سے مشک وعنبر کی خوشبو آنے لگی حضور اقدسؐ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس کے محبوب کے ساتھ جتنا تعلق ہو وہ بھی اتنا ہی محبوب ہوگا۔ اگر کوئی عمر بھر محبوب کا کلام پڑھے گا تو اسے کتنی خوشی ہوگی اگر محبوب کے طور طریقے اور سنت کوئی اختیار کرے تو خدا اسے بھی محبوب بنا لیتے ہیں۔ امامؒ کی قبر سے جو خوشبو آنے لگی وہ دنیا کے مشک وعنبر کی نہیں بلکہ عالم برزخ کی خوشبو تھی جس کا کوئی تجزیہ اور تاویل نہیں کی جاسکی۔ لوگ ٹوٹ پڑے اور قبر سے تبرکاً مٹی اٹھانی شروع کی۔ حفاظت کے لئے جنگلہ بنایا گیا۔ ۶ ماہ تک وہ خوشبو باقی رہی مگر پھر متعلقین نے تنگ آکر دعا کی کہ اے اللہ یہ مخفی فرمادے تو یہ برکت تھی حضورؐ کی احادیث کی ؎

جمال ہمنشیں برمن اثر کرد　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہم تو خاک ہیں یہ حدیث یار کا اثر تھا۔ ایک صاحب نے اس وقت خواب دیکھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معہ خلفاء راشدین کسی کے استقبال و انتظار میں کھڑے ہیں۔ اس شخص نے

پوچھا منذ الک ابی دامی۔ آپ کس کے انتظار میں ہیں۔ فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری آرہے ہیں۔ دیکھئے غیرتی آدمی کے ساتھ اگر کوئی ذرا بھی بھلائی کرے۔ تو وہ عمر بھر اسے یاد رکھتا ہے۔ تو سب سے بڑا غیرتی بعد از خدا حضورؐ ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ وانا غیور خدا کے بعد میں سب سے بڑا غیرت والا ہوں تو اس کے کلام اور حدیث کی قدر و منزلت اور خدمت و اشاعت کرنے والوں کو اپنی عنایات سے کیوں نہ نوازیں گے۔ مسلمان کی آنکھیں بند ہوتے ہی قبر میں حضور کا چہرہ انور سامنے آجائے گا۔ اور پوچھا جائے گا ماتقول فی حق ھذا الرجل۔ اس شخص کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو وہاں علماء نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت اس امتی پر شدید صدمہ اور سختی ہے۔ تو حضورؐ کا اسے نازک وقت میں دیدار ہو جاتا ہے۔ کہ مخلصین اور صادقین کا غم اور وحشت قدرے کم ہو جائے۔ اس نعمت کو دیکھ کر عاشق صادق تو کہے گا۔ کہ کاش دس سال پہلے مرگیا ہوتا کہ دیدار ہو جاتا۔ یہ ہے اس رحمۃ للعالمین کی شفقت، تو امام بخاریؒ جنگل میں انتقال کر گئے۔ اور سارا شہر امڈ پڑا۔ ادھر حاکم بخارا کا یہ انجام ہوا کہ اس کے بعد دوسرا حاکم آیا۔ اسے گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں پھرایا گیا۔ اور اسکی گردن اڑائی اور جاسوسی کرنے والوں کی بیویوں بیٹیوں کی عصمت لٹ گئی۔ حاکم تو بدلتے رہتے ہیں۔ حق باقی رہتا ہے۔ اور ظلم و استبداد خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ ہے من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب کا نتیجہ۔ یہاں میں نے مجمع عوام کی خاطر یہ باتیں کیں۔ میں خود بھی عوام میں سے ہوں۔ علماء کی باتوں کا موقعہ نہیں۔ آخر میں حدیث کے صرف لفظی ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ۔ قیامت کے دن ہم انصاف کا ترازو رکھیں گے۔ انسان نے دنیا کے اندر جتنے بھی کام کئے وہ رائیگاں نہیں جائیں گے۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی اسے بھی دیکھے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی اسے بھی ــــــ موازین جمع ہے میزان کی۔ اس کا معنی ہے ترازو۔ بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ ترازو رکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص کے حق میں منصفانہ اور عادلانہ فیصلہ فرمائیں گے۔ عام محدثینؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات صحیح ہے۔ مگر واقعۃً محسوس ترازو بھی ہوں گے، جس سے اعمال تولے جائیں گے۔ پہلی توجیہہ کے قائل زیادہ تر معتزلہ اور خوارج ہیں۔ کہ وہاں میزان نہیں بلکہ عادلانہ فیصلہ کی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ دوسری توجیہ اہل سنت والجماعت کی ہے۔ اب میزان کا لفظ جمع کیوں لایا گیا۔؟ اس کی بہتر توجیہ یہ ہے۔ کہ جمع للتفخیم ہے۔ جیسے کذبت قوم نوح المرسلین میں مرسلین کا جمع للتفخیم ہیں۔ تو ایک تو دنیا کے ترازو ہیں چھوٹے اور بڑے۔ مگر خدا کے ترازو میں دنیا و مافیہا سب کچھ سما سکے گا۔

اس لئے جمع کا لفظ ذکر فرمایا وان اعمال بنی آدم و قولھم یوزن ۔

بنی آدم کے تمام کام اور باتیں سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا تمام اعمال تولے جائیں گے ۔ اس میں علماء کو اختلاف ہے کہ یہ اعمال تمام انسانوں کے تلیں گے یا بعض کے ۔ تو بعض علماء کی رائے ہے کہ انبیاء اور مسلمانوں کے نابالغ بچّوں کے اعمال نہیں تلیں گے ۔ اور حدیث شریف میں جن ستر ہزار افراد کے بلاحساب جنت میں داخلے کا ذکر ہے ۔ ان کے اعمال بھی نہیں تولے جائیں گے ۔ بخاری شریف میں ہے یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب ـــــ اور تولنے کا مقصد کسی چیز کی کمی اور بیشی معلوم کرنے کا ہوتا ہے ۔ ضدّین کو دو پلڑوں میں ڈال کر معلوم کرتے ہیں کہ کون سا بھاری ہے ، اور کونسا ہلکا تو عمل نیکی بھی ہے ، اور برائی بھی ۔ ایک ڈھیر برائی کا ہو ۔ دوسرا نیکی کا تو موازنہ ضروری ہے ۔ مگر جب انبیاء اور بالغ بچّوں کے سیّئات ہیں ہی نہیں تو تولنے کا کیا فائدہ اسی طرح بعض علماء کی رائے کفّار کے بارہ میں بھی ہے ۔ کہ ان کے اعمال سب کے سب سیّئات ہیں تو وہ بھی نہیں تلیں گے کیونکہ ان کے حسنات ہیں ہی نہیں تو موازنہ کس کے ساتھ ہو گا ـــــ تو وزن ہو گا صرف مسلمانوں کے اعمال کا کہ اس میں نیکیاں بھی ہیں ۔ اور برائیاں بھی ۔ امام بخاریؒ نے وان اعمال بنی آدم ۔ کہہ کر اسے عام کر دیا ۔ کہ تمام انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے ۔ اور تولنے کا ایک مقصد ضدّین معلوم کرنے کا ہوتا ہے ۔ اور ایک کسی کا شان ظاہر کرانا ۔ انبیاء علیہم السلام کے اعمال کا وزن ان کی عظمت اور شان ظاہر کرانے کے لئے ہو گا ۔ جیسا کہ حضورؐ کی شفاعت کبریٰ کا معاملہ ہے ۔ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہو گا ۔ لوگ ایک ایک نبی کے پاس جا کر شفاعت کی درخواست کریں گے ۔ کہ حساب شروع ہو سکے مگر سب انبیاء حضرات ان کو حضورؐ کے پاس جانے کا مشورہ دیں گے ۔ تو وہاں خدا تعالیٰ کو بھی آپ کی شان اعلیٰ وارفع ظاہر کرانا مقصود ہے ۔ ورنہ پہلے ہی سے تمام لوگ آپ کے پاس آجاتے مگر مقصد یہ تھا ۔ کہ تمام عالم کو معلوم ہو جائے تو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ کے اہل آپؐ ہی ہیں ۔ اعمال اور اقوال کے تولنے میں کئی توجیہات منقول ہیں ۔ مگر آج تو سائنس کا زمانہ ہے ۔ حرارت ، سردی ، آواز اور ہوا تک تل جاتی ہے ۔ الفاظ بھی وزن کرائے جاتے ہیں ۔ تو بعض لوگ کہتے ہیں ۔ کہ جن کے حسنات غالب ہوں گے ان سے نور کی شعاع نکلے گی اور سیئات سے ظلمت نکلے گی ۔ جس سے دونوں کا حال معلوم ہو گا ۔ بعض کہتے ہیں کہ جو چیز زیادہ ہو وہ پلڑا بھاری ہو کر نیچے جھکے گا ۔ جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے ۔ اور ایک رائے یہ ہے کہ حسنات بھارے ہوں گے تو ان کا پلڑا اوپر کو جائے گا ، دنیا کے برعکس معاملہ ہو گا ۔ اس لئے کہ حسنات کا تعلق اوپر سے ہے ۔

اور سیئات سفلی ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنات بہترین شکلوں سے متشکل ہوکر سامنے آئیں گے۔ اور سیئات مہیب اور خوفناک شکلوں میں۔ مثلاً نماز ایک بہترین اور خوبصورت حور کی شکل میں سامنے آئے گی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہا کہ میں نے خواب میں ایک عجیب وغریب خوبصورت عورت کو دیکھا۔ اس نے کہا تمہاری میں حور ہوں۔ مگر وہ آنکھوں سے اندھی تھی۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ بھئی تم نماز پڑھنے میں اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ اور یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ کمال تو یہ ہے کہ دنیا کے بازار گرم رہے مگر عاشق کا خیال محبوب ہی کیطرف ہو۔ تمہیں کسی کا دھیان ہے تو اس بھرے بازار میں بھی چلتے ہوئے تمہاری توجہ ادھر ادھر کی چیزوں کی طرف نہ ہوگی۔ تو خدا چاہتا ہے کہ میرے بندہ کی آنکھیں کھلی رہیں مگر دل میری طرف ہو۔ اس حال میں بھی خشوع وخضوع کو قائم رکھے۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ نماز قیامت میں خوبصورت حور کی شکل میں نمازی کے سامنے آئے گی۔ تم نے خواب میں دیکھا کہ مجھے حور ملی ہے۔ مگر اندھی ہے۔ اس حدیث سے میں نے معلوم کیا کہ تم نماز آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہو۔

وزن اعمال کی صورتوں میں تیسرا قول یہ بھی ہے۔ کہ اعمال کے تمام رجسٹروں کو تولا جائے گا۔ تینوں باتوں میں بظاہر تعارض ہے۔ مگر درحقیقت کوئی تعارض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اطمینان کی خاطر سب کی سب صورتیں ظاہر فرمادیں گے۔ اعمال اچھے اور برے اپنی اپنی شکلوں میں سامنے آجائیں گے۔ اور بندہ کہے گا۔ کہ اے اللہ یہ سانپ بچھو تو میرے اعمال نہیں۔ میں نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں۔ تو ارشاد ہوگا کہ اچھا تمہاری تسلی کراتے ہیں۔ سی۔ آئی۔ ڈی یعنی اعمالناموں کے مرتب کرنے والے ملائکہ کو حکم دے دیا جائے گا کہ کتابیں لے آؤ۔ اب پھر اگر یہ استغاثہ کرے اور اپیل دائر کر دے اور کہہ دے کہ میں بے ادبی تو نہیں کرتا مگر یہ تو آپ ہی کے فرشتے ہیں۔ آپ کی سی۔ آئی۔ ڈی ہے۔ شاید نیکی لکھی نہ ہو یا کم کر دی ہو۔ اور زبان سے نہ بھی کہے مگر شاید دل میں یہ خیال آجائے کہ مجھے اطمینان نہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا اس کے جتنے اعمال ہیں وہ سب کے سب خود حاضر ہو جائیں تو تمام حسنات وسیئات اس کے سامنے آجائیں گے۔ ووجدوا ما عملوا حاضرا۔ اور جو انہوں نے کیا اُسے حاضر پالیں گے ـــــ بلکہ اس کے جسم کا ہر عضو ریکارڈنگ مشین کیطرح بول کر شہادت

دے گا۔ اس کی زبان گنگ ہو جائے گی اور ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے۔ فتشهد بها جباههم و
جلودهم - ان کی پیشانیاں اور ان کے چمڑے ان پر شہادت دینے لگیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان اعمال کا تولنے والا کون ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وازن
یعنی تولنے والے خود رب العزت ہوں گے۔ دوسرے قول میں عزرائیل علیہ السلام کا ذکر ہے۔
تیسرے میں جبرئیل علیہ السلام کا بھی ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے حضرت آدم علیہ السلام کا
نام بھی آتا ہے۔ چاروں روایات صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکم دیں گے۔ تو ان کو نسبت دی گئی ان کی طرف
سے عزرائیل کو حکم ہوگا تو وہ بستہ اور نامۂ اعمال بغل میں دبائے آ جائیں گے۔ کہ وہ اسکی روح قبض کرنے
والے ہیں۔ اور آجکل بھی سب سے پہلی پیشی میں مجرم کے پکڑنے والے پولیس کے آدمی پیش ہوتے
ہیں۔ پھر قانون لانے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ گویا وہ وکیل استغاثہ ہیں کہ میں نے قانون پہنچایا تھا۔
اس نے جان بوجھ کر حکم عدولی کی ہے۔ اور قانون کو نہیں مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نبی نوع انسان کے جدّ بزرگوار
حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائیں گے۔ کہ اے آدم یہ تیری اولاد ہیں اب تو خود اس کے بارہ میں فیصلہ
کر دے۔ اولاد کے مقدمہ میں پیشی کے وقت باپ دادا بھی پیش ہوتا ہے۔ تو یہ ساری صورتیں
ہو سکتی ہیں۔ وقت تنگ ہے۔ اب مختصراً حدیث کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ کلمتان حبیبتان
الی الرحمان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔
تینوں جملے خبر مقدم اور سبحان اللہ وبحمدہ۔ الخ مبتداء مؤخر ہے۔

سبحان اللہ خداوند تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ جو عیوب عالم اور تمام مخلوقات میں ہیں۔
اللہ اس سے منزّہ ہے۔ وہ لم یلد ولم یولد ہے۔ اس میں عجز نہیں کہ وہ کسی مکان میں مقیم ہیں۔
نہ محاط ہیں۔ باری تعالیٰ کی اتنی کامل و مکمل تنزیہہ صرف اسلام میں ہے۔ عیسائیوں کی کتابوں میں اب
بھی ہے کہ نوح علیہ السلام نے بد دعا کی۔ طوفان آیا۔ ساری مخلوق ہلاک ہوئی۔ پھر خدا نعوذ باللہ
پچھتائے اور بیمار پڑ گئے۔ تو فرشتوں نے آکر خدا کی بیمار پرسی کی اور بائبل میں یہاں تک گستاخی کے
الفاظ ہیں۔ کہ یعقوب علیہ السلام نے خدا سے کشتی لڑی اور اس نے نعوذ باللہ خدا کو پچھاڑ دیا۔ اور یہ
کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور جو جی چاہے کر سکتے ہیں۔ گویا خدا کا کوئی اختیار ہی نہیں۔ تو سبحان اللہ
کے جملہ سے اس قسم کی تمام باتوں کی تنزیہہ و تقدیس ہوئی بحمدہ سے اوصاف کمالیہ کا ثبوت ہے چاہے
تخلیق ہو۔ احیاء و اماتت ترزیق ہے علم ہے، قدرت ہے۔ حکمت و رحمت جو کچھ بھی ہے اسی کے
پاس ہیں۔ یہ تمام اوصاف ثبوتیہ اُس کے ذاتی ہیں۔ باقی سب مخلوق کے مستعار اور عرضی ہیں۔ خدا کی مخلوق

میں درجۂ ذات میں کوئی کمال نہیں۔ یہ دیوار پر روشنی آفتاب کی ہے۔ اور سورج میں روشنی اللہ کیطرف سے ہے۔ قربان جائیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے بڑے عالم بڑے متقی اور عارف گذرے ہیں۔ تواضعاً فرماتے تھے کہ واللہ العظیم محمد قاسم اور دیوار میں کوئی فرق نہیں۔ تو درحقیقت یہ سچ ہے۔ کہ خدا کے جو کچھ کمالات ہیں کے پرتو اور روشنی سے ایک خاکی جسد میں یہ کمالات اور فضائل پیدا ہوئے۔ ورنہ تمام مخلوق دیوار کیطرح ہر وصف کمال سے مبرّا تھی۔ یہ سب کچھ کمالات خدا کے دیئے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ کا معنی یہ ہے کہ تمام خوبیاں ستائش اور تعریف صرف اللہ کی ہے۔ وہی مستحق ہے۔ ہر عیب سے پاک ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا۔ اور روح دی۔ یہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ دو چیزوں کو ملانا آسان ہے۔ پانی اور آگ کو ملا دیں تو بھاپ اور طاقت پیدا ہو جائے گی۔ مگر آپ پانی پیدا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آگ زمین اور آسمان اور کسی حیوان میں روح پیدا نہیں کرسکتے۔ اس وجہ سے قیامت کے دن تصویر کشی کرنے والوں کو کہا جائے گا۔ جو کے دو دانے آپس میں ملاؤ۔ یہ عاجز ہوگا۔ تو کہا جائے گا۔ کہ تیری اتنی طاقت نہیں تو تصویریں کیوں بناتے تھے۔ تو آجکل سائینس کا دور ہے۔ مگر ایجاد و تخلیق کسی نے نہیں کیں۔ ایجاد تو صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اس نے ہر چیز کی خاصیتیں اس میں پیدا کی ہیں۔ زمین میں پیٹرول سونا چاندی اس نے پیدا کیا تھا۔ ہم نے کنوآں کھود کر اُسے ظاہر کر دیا۔ تو سائینس صرف اشیاء کے خفیہ حقائق اور خواص ظاہر کر دیتی ہے۔ مگر اشیاء کی تخلیق کی ہے خدا نے۔ سائینس نے نہیں کی۔ ورنہ کسی مادہ سے سائینس ایک چیونٹی اور مکھی تو پیدا کر دے جو کھائے پیئے اور اس میں روح کے تمام خواص ہوں۔

خدا تعالیٰ نے انسان بنایا آسمان اور زمین بنائی اور قرآنِ کریم نازل فرمایا خدا نے پیغمبر کو بھیجا۔ یہ سب کام انسان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ عظیم ہے۔ عظمتوں والا ہے۔

امام بخاریؒ نے آخر میں ایک حدیث ذکر کی جو تمام حسنات کو جامع ہے۔ اس لئے قیامت کے دن میزان کا وزن بھی اس سے بڑھ جائے گا۔ امامؒ نے آخر کتاب میں یہ حدیث ذکر کر کے اس شکل میں خدا کی نعمت کتاب کی تکمیل کی توفیق کی حمد بھی ادا کی ——— وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اگلے پرچہ میں

جلسہ دستاربندی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی بلند پایہ تقریر ملاحظہ فرمائیے

۹۰

میں مسلسل دو سال سے بیمار چلا جا رہا ہوں۔ اب تو
مسجد تک بھی نہیں جا سکتا۔ صرف جمعہ کی نماز کیلئے بمشکل
تمام جاتا ہوں۔ ورنہ تمام نمازیں گھر پڑھتا ہوں۔
فرض نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں سنتیں تو بیٹھ کر ہی پڑھتا
ہوں۔ بہت کمزور ہوں۔ آپ کی اور سب کی دعاؤں
کا محتاج ہوں۔ حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحبؒ
کے کمالات میں یہ چند جملے اپنے لڑکے مولوی مقبول الرحمٰن
سے لکھوا کر ارسال کرتا ہوں۔

محمد عفا اللہ عنہ

محدث عصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی باتیں

حضرۃ مولانا محمد الوری صاحب مدظلہ، لائل پور

★ — حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی مہمان نواز تھے۔ جب کبھی حاضری ہوئی تو کھانے کا بڑا ہی اہتمام فرماتے تھے۔ مہمان کے پاس خود تشریف رکھتے تھے۔ اور مولانا محفوظ علی صاحب کو تاکید فرماتے تھے کہ مہمانوں کو کھانا اچھی طرح کھلائیو۔ بہت عمدہ کھانا بنوا کر کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ میں حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ گھر میں تاکید فرما رہے تھے۔ کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں، کھانا اچھا بنائیو۔ مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم حضرت کے بچوں کے ماموں تھے۔ انہوں نے اپنی ساری عمر حضرت ہی کی خدمت میں گذار دی۔ بڑے ذکی اور بہت مشہور طبیب تھے۔ لوگ بکثرت ان کے پاس بغرض علاج آتے جاتے تھے۔ میرے ساتھ بڑے ہی بے تکلف تھے۔ بہت سی راز کی باتیں تبلا دیتے تھے۔

★ — حضرت شاہ صاحبؒ جب بیعت کرتے تھے تو بعد میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ نماز کی پابندی کرو۔ حلال و حرام میں تمیز کرو۔ اور نصیحتیں اس وقت یاد نہیں، یہی دونوں فقرے یاد ہیں۔ بیعت کرتے وقت لا الٰہ الا اللہ کو اس زور سے کہتے تھے۔ کہ سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب طبق کھل گئے۔ خود جہر کی کیفیت سناتے تھے۔

★ــــ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا سراج احمد صاحب اور مولانا اعزاز علی صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی یہ سب حضرات سرہند کے اسٹیشن سے اتر کر حضرت مجددؒ صاحبؒ اور ان کے صاحبزادوں رحمہم اللہ کی زیارت کی غرض سے پیدل چل کر گئے۔ یہ تین کوس کا راستہ ہوگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ابھی گاڑی اُدھر نہیں جاتی تھی۔ راستہ میں ایک مدرس دیوبند کے متعلق بات چیت ہونے لگی۔ رفقاء آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ وہ مدرس صاحب شاہ صاحب کے متعلق یوں کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ واقعہ کو صحیح تھا، مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے سب کچھ سنا اور کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ حضرت شاہ صاحب کا انتہائی اتقاء ہے۔ کہ غیبت کا جواب بھی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ حسبنا اللہ یہ کہا اور پھر فرمایا کہ کوئی اور بات کرو، اسکو جانے دو۔

★ــــ فرمایا کہ ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا۔ میں تو حضرت گنگوہیؒ سے مسئلہ پوچھ رہا تھا۔ اور ایک آدمی آیا اور حضرت کے سامنے آپ کی تعریف کرنے لگا۔ حضرت نے سب کچھ سنا۔ اور پھر ایک مٹھی مٹی کی بھر کر اس کے منہ پر ماری۔ فرمایا حدیث میں آتا ہے۔ جو تمہارے منہ پر تعریف کرے اس کے منہ پر مٹی ڈال دو۔

★ــــ فرمایا جب میں ۱۳۱۹ھ میں مدرسہ امینیہ چھوڑ کر دہلی سے کشمیر گیا، اور وہاں وعظ و نصیحت کا سلسلہ جیسا کہ سنت انبیاء علیہم السلام ہے، شروع کیا تو لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ پھر میں نے مدرسہ فیض عام کی بارہ مولا میں بنیاد ڈالی۔ مدرسہ خوب چلا۔ وہاں میں سب کتابوں کا درس دیتا تھا۔ اور کتب حدیث کا بھی درس دیتا تھا۔

★ــــ فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے دیوبند سے کشمیر جانے کی چھٹی حاصل کی اور وہاں سے میں نے مولانا محمد سہول صاحب مدرس دیوبند کے نام چٹھی لکھی۔ مگر ان سے وہ خط پڑھا نہ گیا۔ میں کشمیر سے واپس دیوبند آیا تو انہوں نے بتلایا کہ خط آپ کا آیا تھا وہ ویسا ہی رکھا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آیا، پھر میں نے پڑھ کر سارا خط ان کو سمجھایا۔ پھر فرمایا کہ میں چودہ قسم کا طرز تحریر جانتا ہوں۔ وہ نویں قسم تھی جو مولانا کو سمجھ نہیں آئی۔

★ــــ فرمایا ہمارے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کو حضرت شاہ عبدالغنیؒ مہاجر مدنی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے حدیث پڑھی۔ پھر انہوں نے اپنے دست مبارک سے حضرت کو سند دی۔

★ — فرمایا ایک میرے استاذ حدیث مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری ثم مدنیؒ ہیں۔ میں انکا نہایت احترام کرتا تھا۔ میں ادباً بیٹھے بیٹھے تھک جاتا تھا۔ مگر گھٹنے نہیں تبدیل کرتا تھا۔ مولانا محمد اسحاقؒ نے حضرت مولانا خیرالدین آلوسی بغدادی سے حدیث پڑھی ہے۔ وہ اپنے والد ماجد مولانا سیّد محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے تلمیذ ہیں۔ انہوں نے ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ (یعنی صاحبِ روح المعانی نے) یہ بڑے ہی محقق ہیں۔ یہ مفتی بھی تھے اعلم بغداد کہلاتے تھے۔

★ — ایک دفعہ فرمایا کہ استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحیَّ القیوم واتوبُ الیہ۔ یعنی الحی القیوم پر زبر پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ الحی القیوم دونوں اللہ کی صفتیں ہیں۔ اور لفظ اللہ مفعول بہ واقع ہوا ہے۔ اس لئے الحیَّ القیوم بہتر ہے۔

★ — ایک دفعہ فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ قرآن شریف کے بعد ان کلمات سے بڑھ کر کسی کا ثواب نہیں۔ اور یہ بھی قرآن شریف سے ہیں۔ اس لئے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ سارے قرآن میں کہیں اکٹھا نہیں آیا۔ اور یہ سارے کلمات قرآنِ شریف سے ہیں۔ یعنی سارے الفاظ قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اس لئے یہ صحیح ہوا کہ یہ سب قرآنِ شریف سے ہیں۔ اور سارے اکٹھے ملکر ایک آیت نہیں۔

★ — ایک دفعہ دیوبند سے تشریف لائے اور لدھیانہ سے احقر بھی ساتھ ہوگیا۔ امرتسر اترے اور مولانا عبدالقدیر کشمیری کے ہاں ٹھہرے۔ صبح کو جب گاڑی سے روانہ ہوئے تو میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ مرزائیوں سے اختلاط اچھا نہیں، بہت بُرا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ڈنگ مارنے سے باز نہیں آتے اس لئے ان سے دور رہنا ہی اچھا ہے۔ یا تو آدمی کے پاس ان کا زہر اتارنے کیلئے تریاق ہو، جب تریاق نہ ہو تو دور ہی اچھے۔ دوسری دلیل یہ کہ قرآنِ پاک میں ہے۔ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین ۔ یہ دو دلیلیں ہوگئیں۔ ایک عقلی اور ایک نقلی۔

★ — فرمایا دیانت کہتے ہیں کہ بندے اور اللہ کے درمیان جو تعلق ہے، اس کو سچے طریقہ سے نبھائے۔ اسکو دیانت کہتے ہیں۔ ایسا شخص دیانتدار کہلاتا ہے اور جس میں یہ صفت نہیں ہے۔ وہ دیانتدار نہیں بلکہ خائن ہے۔

★ — امرتسر کے راستہ میں ہی فرمایا کہ ہمارا خاندان دس پشت سے سہروردی ہے۔ میرے والد صاحب مولانا سیّد معظم شاہ صاحب کی طرف سے بھی مجھے اجازت ہے۔ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی اجازت ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے تو یہ اجازت نامہ مجھے لکھ کر دیا تھا —

یوں بھی حضرت گنگوہیؒ کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ ہم نے شام وعرب، مصر وعراق میں کوئی ایسا فقیہ النفس نہیں دیکھا۔

★ —— حضرت کے پاس ابوداؤد کی شرح خود اپنی تھی جسکو ایک جلد میں بہت حفاظت سے رکھتے تھے۔ میں نے بھی حضرت سے وہ جلد لیکر کچھ اجزاء نقل کر لئے تھے۔ بہت ہی مبسوط شرح تھی، بذل المجہود سے بہت مفصل پھر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شرح کیا ہوئی۔ جب حضرت کا وصال ہوا۔ چونکہ حضرت کے صاحبزادے اس وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ معلوم نہیں کس کے ہاتھ لگ گئی۔ بہت ہی خوشخط لکھی ہوئی تھی۔

★ —— حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی بڑی ہی قدر اور توقیر کرتے تھے۔ جو مشکل مسئلہ پیش آتا اس کی تحقیق حضرت شاہ صاحبؒ سے کرایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے ہی ادب سے عرض کیا کرتے تھے کہ ہاں حضرت فلاں مصنف نے یونہی لکھا ہے۔

★ —— جب مولانا غلام رسول صاحب کا وصال ہو گیا تو اس وقت حضرت مالٹا میں تھے۔ وہاں سے ایک لمبا مرثیہ لکھ کر بھیجا۔ اس کا اس وقت ایک شعر یاد ہے ؎

غلام رسول اوستاذِ افاضل — کہ چشم جہاں مثل او دید کمتر

اور ایک شعر یہ بھی تھا ؎

تیرے حجرے میں جب کبھی ہوتے حاضر — تو آجاتے تھے یاد ہم کو ابو ذر

★ —— ص۵۲۳ بخاری جلد اول میں ہے کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ جب فجر کی نماز پڑھاتے تھے تو اکثر پہلی رکعت میں سورۃ یوسف یا سورۃ نحل پڑھتے تھے۔ اور رکوع اس وقت کرتے تھے۔ کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے جو آدمی بالکل رکوع کے قریب ملا، اور اکثر ایسا ہوتا ہے، تو اسکی فاتحہ کہاں گئی۔ یہ تو حضرت فاروقِ اعظم کا فعل ہے۔ جو کہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کے اتباع کا حکم ہے۔

★ —— فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے: واذا رکعت فضع راحتیک علیٰ رکبتیک۔ یہ دونوں شرط اور جزا ہیں۔ اور شرط اور جزا میں اتصال شرط ہے۔ پس اگر رفع یدین ہو تو جزاء اور شرط میں اتصال کہاں رہا۔

★ —— ایک دفعہ لدھیانہ تشریف لائے۔ میں اس وقت لدھیانہ مدرسہ عزیزیہ میں پڑھاتا تھا۔ چونکہ وہ مدرسہ حضرت شاہ صاحبؒ کے راستہ میں پڑتا تھا۔ اس واسطے میں نے وہیں قیام کیا۔

تاکہ حضرت کی زیارت ہوتی رہے۔ اس مدرسہ میں کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ قادیانیوں کی تمام کتابیں اور ان کی رد کی کتابیں اور شیعہ کی تمام اور ان کی رد کی کتابیں۔ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تصنیفات بھی تھیں۔ میں نے وہ تمام تصنیفات ازبر کر لیں تھیں۔ اصول کافی اور اسکی شرح جو کہ ایران سے منگوائی تھیں وہ سب دیکھ لی تھیں۔ ۱۹۲۳ء کی بات ہے۔ ایسے ہی فروع کافی تھیں اور اسکی شروع تھیں۔ بیشمار کتابیں تھیں۔ ایک دفعہ دیوبند سے حضرت شاہ صاحب مع حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ تشریف لائے، مجھے وہاں پڑھاتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مولانا بدر عالم صاحبؒ نے دریافت کیا کہ حکمت نزول عیسیٰ علیہ السلام میں کیا ہے۔ فرمایا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلسلہ اسماعیلی اور سلسلہ اسحاقی کو ملا دینا منظور ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے ــــ جب بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تو آپ کا خاتم النبیین ہونا دوبالا ہو جائے گا۔ کہ خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ تو اس وقت شریعت یوسفی پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر برحق تو ہوں گے مگر عمل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مبارکہ پر کریں گے۔

★ ــــ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے تھے۔ کہ میں ایک دفعہ مسلم شریف کا درس دیکر درس بند کر کے حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ میں گیا تو اس وقت کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ میرے جانے پر فوراً میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ حدیث میں ایمان کا صلہ علیٰ بھی آیا ہے۔؟ تو فرمایا کہ ہماری نظر سے تمام ذخیرہ حدیث میں کہیں نہیں گذرا کہ ایمان کا صلہ علیٰ آیا ہو۔ مگر مسلم شریف کی یہ حدیث مامن نبی الا وقد اوتی مامثلہ آمن علیہ البشر میں یہ سن کر پسینہ پسینہ ہو گیا۔ کیونکہ یہی حدیث میرے ذہن میں تھی کہ دریافت کروں گا۔ کیونکہ اسی حدیث کا میں درس دیتا گیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا استحضار دیکھ کر بڑا ہی متعجب ہوا ــــ نیز فرماتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے ہیں۔ پھر میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی۔ اس وقت واقعی میری غرض امتحان تھی۔

★ ــــ بہاولپور کا قصہ ہے کہ آپ جمعہ کی نماز کے بعد کچھ بیان بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی مرحوم جو کہ اس وقت اس سفر میں ساتھ تھے۔ آپ کے بیان سے

(باقی صد ۳۲ پر)

حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہ، خطیب شیخوپورہ

نبوّت کی حقیقت اور اسکی عظمت

قسط ۳

نبوّت اللہ کی طرف سے عظیم منصب ہے جس کے لئے اللہ ہی ارباب ملکات کا انتخاب کرتا ہے۔ نبوّت اختصاصِ الٰہی کا نام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسی خصوصیات ہیں۔ جنکی وجہ سے حق تعالیٰ اپنی نبوت کے لئے انبیاءؑ کو مخصوص فرماتے ہیں۔ اس لئے نبوت کی عظمت اور مقام کا اندازہ ہمارے فکر و نظر کے اندازہ سے آگے ہے۔ اور علم و حکم اللہ ہی جانتا ہے۔ کہ جس نے نبوت کے لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چنا ہے۔ اسکی عظمت اور مقام کتنا بلند ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں بہت سی قومیں غلو اور افراط میں تکذیب اور تفریط میں گمراہ اور تباہ ہو چکی ہیں۔ اس لئے علماء کے لئے اعتدال کی راہ معلوم کرنا اور اس پہ قائم رہنا ضروری ہے۔ تاکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے مقاصد سے پورا پورا استفادہ کریں۔ اور یہ درمیانی راہ صرف وہی ہے۔ جو قرآن شریف نے ارشاد فرمایا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت میں حق تعالےٰ نے ہماری تعلیم و تفہیم اور تطہیر و تزکیہ کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس لئے ہمیں اندازہ کرنا چاہیئے کہ ان ملکات میں انبیاءؑ کا مقام کس قدر بلند ہوگا۔ اور ہمیں انبیاءؑ کی قدر و احترام اور ادب و اعظام پر کس حد تک اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا ہے۔ انبیاء کا پہلا اور اہم مقصد اللہ کی مخلوق کے لئے تقنین اور تشریع ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان حاکمانہ اور شارع کی ہے۔ اور اس میں حق تعالیٰ نے اس کے ساتھ کسی انسان کو خواہ عالم اور فقیہہ ہے۔ یا امیر اور حاکم ہے۔ خواہ فرد ہے۔ یا جماعت ہے۔ شریک نہیں کیا ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ کسی رو، اور کسی پہلو پہ

بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی دوسرا انسان تشریع کرنے کا سنت اور مستند نظیر یا صورت حالات کے مطابق آزادانہ تعبیر میں دین کے قائم کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عظیم منصب کی مناسب تشریح کے اہم مقصد کی واقعی اور صحیح حدود قرآن شریف کی آیات اور ارشادات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں تفصیلات قرآن شریف کی آیات سے معلوم کرنا ضروری ہیں ۔۔۔۔۔۔۔

قرآن شریف کی آیات

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے ایمان والو! آگے مت بڑھو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے) جس معاملہ میں اللہ اور رسولؐ کیطرف سے حکم ملنے کی توقع ہے تو اس معاملہ میں اللہ اور رسولؐ کے حکم کا انتظار کرو اور آگے بڑھ کر اپنی رائے سے اس کا فیصلہ مت کرو۔ اور رسولؐ کے ارشاد فرمانے سے قبل بولنے کی جرأت نہ کرو اور پیغمبرؐ کے ارشاد اور سنت کے بعد اپنے افکار و اغراض کو اس پر مقدم نہ رکھو بلکہ اپنے افکار و جذبات کو رسولؐ کے ارشادات اور سنت کے تابع رکھو۔ قرآن شریف نے اس آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب اور حقوق سکھلائے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب اور حق یہ ہے۔ کہ آپ کے ارشاد اور حکم کا انتظار کیا جائے اور اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اور آپ کے ارشاد و تشریع کا پابندی سے التزام رکھا جائے۔ اور تمام شخصی اور طبقاتی آراء اور مصالح کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد حدیث اور سنت کے تابع رکھو تاکہ مسلمانوں کا جماعتی نظام قائم اور مستحکم رہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اپنے فکر و نظر میں سنت یا تشریع کرنے کا یا مستند نظیر اور صورت حالات کے مطابق آزادانہ تعبیر میں سنت قائم کرنے کا اپنے لئے حق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یا کسی اور کو دلانا چاہتے ہیں۔ تو وہ رسولؐ کے ارشاد پر تقدیم کرتے ہیں۔ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اقتدار نہیں کرتے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بغاوت کرتے اور مسلمانوں کے جماعتی نظام کو منتشر کرتے اور انضباط کے مضبوط مرکز اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ مذکورہ آیت نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ آداب سکھلائے ہیں۔ کہ اپنے تمام جذبات اور احساسات کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم اور سنت سے پیچھے رکھو اور تابع بناؤ۔ جیساکہ حضرت معاذؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کہا۔ کہ آپ اپنی

فقہی اور اجتہادی رائے کو کتاب و سنت کے مقابلہ پر نہیں لائیں گے۔ بلکہ کتاب و سنت میں اگر حکم منصوص نہیں ہے تو اس کے بعد کتاب و سنت کے عقلی مفہوم کو سوچیں گے اور اجتہاد و نظر کریں گے۔ کتاب و سنت میں حکم نہ ملنے پر اجتہاد و نظر کے لئے موقع سمجھا گیا ہے۔ اور حضرت معاذؓ کے اس جواب پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی حمد کی ہے۔

سید آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت نے یا ندائیہ کیساتھ خطاب کرنے میں دئے جانے والے امر کا عظیم الشان ہونا ظاہر کیا ہے۔ کہ اس کا زیادہ اعتماد اور اہتمام کیا جائے۔ کہ کسی معاملہ میں اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے نہ بڑھو۔ اور اپنے فکر و اجتہاد اغراض و جذبات کو شارع کے حکم پر مقدم نہ کرو اور شارع کے حکم کے ہوتے ہوئے فکر و نظر کو عمل میں لانا اللہ اور رسولؐ کے آگے بڑھنا ہے جس سے قرآن شریف نے منع کیا ہے۔

بفرض محال اگر ادارہ تحقیقات اسلامی کے رئیس ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا یہ نظریہ تسلیم کر لیں کہ ہر ایک قابل اور مستعد شخص کو صورت حالات کے مطابق آزادانہ تعبیر میں دین کے قائم کرنے کا اور تشریع کرنے کا حق ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ڈاکٹر صاحب اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے بڑھنے اور خلاف کرنے کے لئے جواز کی راہ نکال رہے ہیں۔

قرآن شریف کی دوسری آیت

سورۃ حجرات میں مذکورہ آیت کے بعد قرآن شریف نے ارشاد فرمایا ہے۔ (اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر۔ کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تمکو خبر بھی نہ ہو۔)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب اور اعظام کا یہ دوسرا طریقہ سکھلایا گیا ہے کہ آپ سے نرم آواز اور تعظیم و احترام کے لہجہ میں ادب اور شائستگی سے خطاب کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں تساہل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکدر ہو جائے اور تمہارے تمام اعمال اور تمام محنتیں اکارت کر دی جائیں۔

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں۔ جسطرح آپکی حیات میں مذکورہ آداب کی پابندی لازم تھی۔ اسی طرح آرامگاہ نبوت کا احترام اور ادب ضروری ہے۔ اس لئے کہ آپ ہر حال میں محترم ہیں ـــــ سید آلوسیؒ لکھتے ہیں۔ بڑوں کے سامنے اونچی آواز سے بولنے میں ان کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام سب سے اور بہت اونچا ہے۔ آپ کو ایذا دینا کفر ہو سکتا ہے۔ اور اعمال کے اکارت جانے کا سبب ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف نے آپ کو ایذا اور تکلیف کے مظنہ سے

بھی منع فرمایا۔ حافظ ابن قیمؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے ارشاد فرمانے سے قبل بولنے سے منع فرمایا کہ حضورؐ کے بتلانے سے پہلے ایمان والے نہ بتلائیں اور حضورؐ کے فیصلہ سے پہلے فیصلہ نہ کریں۔ ابن عباسؓ نے اسکی یہ مراد بیان کی ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کے خلاف مت بولو۔ حضورؐ کے امر اور فیصلہ کو تسلیم کرنا اور اسکی اتباع کرنا لازم اور ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور فرمایا حضورؐ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنے میں قرآن شریف اعمال کے اکارت اور ضائع جانے کی حبط خبر دیتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کے بارہ میں قرآن شریف سے کسطرح کی توقع ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنی آراء اور جذبات سیاسیات اور معارف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور سنت پر مقدم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسطرح کی بے باکانہ حرکت اور جرأت کے باوجود ان کے اعمال کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں۔ (اعلام الموقعین ص ۵۰ ج ۲)

اہل علم نے قرآن شریف کی مذکورہ آیات کی مراد اور مقاصد کی کھلے الفاظ میں وضاحت کی ہے۔ کہ اللہ کے حکم کیطرح رسولؐ کی سنت اور حکم کی تبدیلی کرنے کا قرآن شریف کسی کو حق نہیں دیتا۔ اور ایک قابل اور مستعد شخص کو اجتہاد و نظر کا اس شرط پر موقع دیا گیا ہے۔ جب کتاب و سنت میں کوئی حکم منصوص نہیں ہے۔ اگر ادارہ تحقیقات اسلامی کا رئیس پیش نظر صورت حالات کے مطابق کسی قابل اور مستعد شخص کو آزادانہ تعبیر میں سنت یا مستند نظیر قائم کرنے کا یا تشریح اور تقنین کا حق دیتے ہیں۔ تو آپ کو یا قرآن شریف کی مذکورہ آیات کی خبر نہیں ہے۔ یا قرآن شریف کی مذکورہ آیات میں تحریف کی راہ چلتے ہیں کہ منصب نبوت کے اہم اور مخصوص وظیفہ تشریع میں ہر ایک قابل اور مستعد شخص کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیساتھ شریک کرتے ہیں۔

تشریح کرنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور مقام ہے

جسطرح نبوت کا منصب تشریعی مقاصد کے لئے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تشریعی وظائف کی ضرورت کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پورا کرتے ہیں۔ تشریعی مقاصد کے بغیر نبوت نہیں ہوتی ہے۔ اور نبوت کے بغیر تشریعی مقاصد کی تکمیل اور ان میں ترمیم و اضافہ ممکن نہیں ہے۔ جن قوموں کے پاس اللہ کا محفوظ اور منضبط دستور نہیں ہے۔ یا اس پر چلنا نہیں چاہتے ہیں۔ ایسی قومیں حالات کے پیش نظر اپنے مناسب سابق دستور اور ضابطوں میں کمی بیشی کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ برطانیہ نے فواحش کا شرمناک قانون پاس کر لیا۔ اور شرمناک بے حیائی کو قانون میں جائز رکھا گیا ہے۔ اور عائلی قوانین دفعہ

تعدد ازواج کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس دفعہ میں کسی ظلم کا انسداد مقصود نہیں ہے۔ بلکہ غیر مسلم نظریات سے مجوزین کا فکر و دماغ اس قدر متاثر ہے۔ کہ وہ صرف تعدد ازدواج کو مکروہ اور جرم قرار دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس کے نتیجہ میں تعدد ازدواج جرم ثابت ہوتا ہے۔ مگر داشتہ طور پر کسی عورت کو رکھنا اور استعمال کرنا جرم نہیں ہوتا۔ یہ انسانی فکر کی تقنین ہے کہ غیر مسلم اوباشوں کی عقیدت اور پیروی میں اللہ کے حرام کو حلال کر دیا۔ اور اللہ کے حلال کو جرم قرار دیدیا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس دین کا مکمل اور جامع دستور محفوظ اور منضبط چلا آرہا ہے۔ اس لیے مسلمانوں نے کسی وقت بھی کسی جدید تقنین و تشریع کی ضرورت کا احساس نہیں کیا ہے۔ اور کتاب و سنّت کے سوا کسی انسان کی رائے اور فکر و نظر کو خواہ وہ از سر تاپا غیر مسلم عیسائیوں اور یہودیوں کا مجسمہ ہے۔ مگر وہ فکر و نظر کے اعتبار سے اسلامی فکر و نظر کی روح سے کورا ہے۔ اسلامی مسائل کو اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس کو سوچنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ اسلامی مسائل کے ماخذوں اور سرچشموں سے بہت دور ہے۔ یا اس کو بہت تھوڑا اور سطحی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تقنین اور تشریع کا حق اور مقام نہیں دیتا۔ اس لیے اہل علم کسی تشریعی تجویز پر التفات نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے کے اجتہاد و نظر کو جائز تسلیم کرتے ہیں۔ کتاب و سنّت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کی قطعی خبر دی ہے۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے پر علی اور طلاق مامور فرمایا ہے۔ اس لیے ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ کتاب اور سنّت کے احکام تشریع اور شریعت ہے۔ اور انکی اطاعت پر ہم مامور ہیں۔ اور یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام سنن اور تشریعات ہر طرح کی غلطیوں اور لغزشوں سے پاک ہیں۔ ورنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کے کچھ معنی باقی نہیں رہیں گے۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے علی الاطلاق امر میں خطا اور کمزوری کا شبہ پیدا ہو جائیگا۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کا امر مطلق ہے۔ اس میں کسی شرط اور قید کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام سنن اور احکام ہمیشہ کیلئے واجب الاطاعت شرائع ہیں کسی وقت اور کسی حال میں بھی قرآن شریف ان میں تبدیلی اور کمی بیشی کو جائز نہیں جانتا ہے اور جب یہ معلوم ہو کہ اللہ کی کتاب اور سنّت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی شخصیت کی عصمت کی خبر نہیں دی ہے۔ اور نہ کسی شخصیت کی اطاعت پر علی الاطلاق ہمیں مامور فرمایا ہے۔ تو ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے، جس کے قول اور حکم میں خطا اور غلطی کا امکان نہیں ہے، اور اس کا امر یا حکم تشریع ہے۔ اور اسکی اطاعت واجب ہے۔ بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کی شخصیت کتنی بڑی ہو اس کا قول اگر کتاب و سنّت کے مطابق ہے، تو لیا جائیگا۔ ورنہ چھوڑا جائے گا۔ کسی کا قول خواہ کوئی بھی ہو دلیل اور حجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ معصوم اور صاحب نبوۃ نہیں۔

معتمر بن سلیمان شعر پڑھتا تھا۔ آپ کے والد نے آپ کو ٹوکا اور آپ نے جواب میں کہا حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ بھی شعر پڑھتے تھے۔ آپ کے والد نے کہا اگر حسنؒ اور ابن سیرینؒ کے شر پر چلو گے تو تم میں پورا شر جمع ہو جائے گا۔ حضرت مجاہدؒ حکمؒ بن عیینہؒ امام مالکؒ فرماتے ہیں: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی بھی نہیں ہے جس کا ہر ایک قول لیا جائے گا۔ بلکہ کوئی قول لیا جائے گا۔ اور کوئی چھوڑا جائے گا۔ سلیمان التیمیؒ فرماتے ہیں۔ اگر ہر ایک عالم کی رخصت پر عمل کرو گے تو تم میں پورا شر موجود ہے۔

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں۔ اہل علم کا یہ اجماعی مسلک ہے۔ مجھے اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے۔ اور کوفہ میں عبداللہ بن مبارک کے ساتھ نبیذ کی حرمت اور حلت کے بارہ میں مناظرہ ہوا۔ مخالف فریق نے ابن مسعودؓ کا ذکر کیا۔ اور ابراہیم نخعیؒ شعبیؒ اور دوسرے محدثین وفقہا کا ذکر کیا کہ یہ حضرات نبیذ کو حلال جانتے تھے۔ ابن مبارکؒ نے فرمایا احتجاج کے وقت کسی عالم کا نام نہ لیجئے۔ بسا اوقات اسلام میں کسی صاحب کے بڑے مناقب ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے غلطی ہو چکی ہوتی ہے۔ اور فرمایا عطاءؒ طاؤسؒ جابر بن زیدؒ سعید بن جبیرؒ عکرمہ اسلام میں بہتر اور پسندیدہ تھے۔ لیکن ان کے مسلک میں جو حلال تھا تم ان کو حرام بتلاتے ہو۔ اصول یہ ہے کہ حجت صرف کتاب وسنت ہے۔ جس کا قول بھی کتاب اور سنت کے خلاف ہے۔ اس پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ (الموافقات ص ۹۵-۹۷ ج ۴) (باقی آئندہ)

سورۃ الملک پر ایک نظر

یہ درس حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ نے کی مسجد کوئٹہ کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا جو اسوقت قلبند کیا گیا۔ اور اب حضرت قاضی صاحب کے حک و اضافہ اور نظرثانی کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (عزیز الرحمٰن و غلام علی شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ)

تمہید سورۃ الملک کا یہ پہلا رکوع ہے جسکی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔ اس کے متعلق آپ حضرات نے نو درس سُن لیئے ہیں۔ یکم رمضان المبارک سے یہ درس شروع کیا گیا تھا۔ اور کل ۹ رمضان شریف کو اس کی تفسیر ختم ہو گئی تھی۔ علوم دینیہ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے سرسری طور پر جو مسائل اور احکام ان آیات کریمہ سے متعلق میری سمجھ میں آتے رہے وہ میں نے کوشش کی کہ تفصیل سے آپ کی خدمت میں عرض کر دوں۔ سرسری طور پر میں نے اس لیئے کہا کہ یہاں کتابوں کا ذخیرہ تو میرے پاس ہے نہیں جنہیں مطالعہ کرتا اور اکابر علماء کی تحقیقات آپ کے سامنے پیش کرتا۔
یہ تو آپ کا دینی شوق ہے۔ کہ میرے جیسے ایک طالب علم کی باتیں بھی غور سے سنتے رہے۔ اگر آپ اکابر علماء کی مجلس میں تشریف لے جاویں اور بزرگانِ دین اس سلسلہ میں جو ذخیرہ ہمارے پاس چھوڑ گئے ہیں اسے سنیں تو آپ کا دل ہی باغ باغ ہو جاوے۔

اسلاف کا تفسیری شوق امام رازیؒ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں لکھا ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ سے دس ہزار مسائل نکالے جا سکتے ہیں ـــــ اور فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں۔ ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں ایک تفسیر لکھی ہے تفسیر اسرار الفاتحہ یہ پانسو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور صرف سورۃ فاتحہ ہی کی تفسیر ہے۔
شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے الشہاب الثاقب میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ ابن عربیؒ نے

ایک تفسیر لکھنی شروع کی تھی، اتنی جلد لکھ پائے تھے کہ داعی اجل کا بلاوا آگیا اور آپ ملاء اعلیٰ سے جا ملے۔ تفسیر مکمل نہ ہوسکی۔ بلکہ صرف سورۃ کہف تک پہنچی تھی۔

علامۃ العصر حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کی یادگار اور تلمیذِ رشید حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہٗ نے مشکلات القرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ صاحب ہدایہ کے استاد نے ایک تفسیر لکھی ہے۔ جو ہزار جلدوں سے بھی اوپر تک پہنچ گئی ہے ـــــ یہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کام کے لئے چن لیا تھا ـــــ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ جسطرح تمام کتب سماویہ کا نچوڑ قرآنِ مجید میں ہے۔ اور اسی لئے اسے دمھیمناً علیہ فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح تمام قرآنِ مجید کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آگیا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ کا پورا حاصل صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں آیا ہوا ہے۔ اور بسم اللہ کا حاصل حرف با میں ہے تو گویا تمام قرآنِ مجید بلکہ تمام کتب سماویہ حرف با ہی کی تفسیر ہے۔ ـــــ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ شریف میں یہ جملہ نقل فرمایا ہے ـــــ کہ العلم نقطۃ کثّرھا الجاھلون۔ یعنی بس علم تو ایک نقطہ ہی میں آگیا ہے۔ جسے نہ سمجھنے والوں ہی کی خاطر اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کو تو ان نہ سمجھنے والوں کا ہی ممنونِ احسان ہونا چاہیئے۔ جن کی طفیل ہمیں قرآنِ مجید کے تیس پارے اور حدیث پاک کا اتنا بڑا ذخیرہ مل گیا والحمدللہ ـــــ اور کچھ بعید نہیں کہ الجاہلون سے مراد انسان ہوں۔ کیونکہ انہ کان ظلوما جھولا اسی کے حق میں کہا گیا ہے۔ تو کثّرھا الجاھلون کے معنی یہ کیوں نہ کئے جاویں کہ انسان ہی کے خاطر رب کریم نے اسے اتنی تفصیل سے بیان فرما دیا ہے۔

اخبار الاخیار میں الشیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر لکھی اور چونکہ یہ انیس ۱۹ حرف ہیں۔ اس لئے ان کی تفسیر بھی انیس ۱۹ ہی جلدوں میں ختم ہوئی۔

بہر حال اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تفسیر قرآنِ شریف کے سلسلہ میں جو دینی ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑ کر گئے ہیں، وہ تو بہت ہی وسیع ہے۔ ہم تو ان کے دریائے علم سے ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کرسکے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ توفیق بخشی ہے۔ اگر وہ اسے قبول فرمالیں اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشدیں تو یہ بہت بڑا انعام ہے ـــــ

زمانہ نزول کے لحاظ سے آیات اور سُوَر کی قسمیں اور حفاظتِ قرآنِ کریم میں قدرت کی خاص عنایت

سو پہلی بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ یہ سورت مکی ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ یہ بات آپ کے ذہن میں رہنی چاہیئے۔ کہ زمانۂ نزول کے لحاظ سے قرآنِ مجید کے سُوَر اور آیات کی کئی قسمیں

ہیں۔ کچھ مکی ہیں۔ مکی ان آیات یا سورتوں کو کہا جاتا ہے۔ جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ چاہے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہوں یا کہیں باہر جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے کسی سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ اور اسطرح کچھ مدنی ہیں۔ مدنی سورتیں یا مدنی آیات وہ ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد نازل ہوئیں چاہے مدینہ طیبہ میں اور چاہے اس سے باہر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جہاد کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔

علیٰ ہذا القیاس کچھ لیلی ہیں جو رات کو نازل ہوئیں۔ جیسا کہ سورۃ اذا زلزلت کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ کہ یہ نصف رات گذرنے کے بعد نازل ہوئی۔ اور اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ اپنے دار العلوم کے طالب علموں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو سنا دی۔

اسی طرح غزوہ تبوک میں جو تین مخلصین رض رہ گئے تھے اور جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں تک بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔ ان کے معافی کے سلسلہ میں جو وحی نازل ہوئی تو وہ بھی رات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ آپ تہجد سے فارغ ہوئے اور علی الصبح ہی ان کو خوشخبری سنائی گئی۔ اسی طرح اور بھی جو آیتیں رات کو نازل ہوئیں وہ لیلی کہلاتی ہیں۔ اور جو آیتیں دن کو نازل ہوئیں وہ نہاری کہلاتی ہیں۔ اسی طرح کچھ شتوی ہیں جو موسم سرما میں نازل ہوئیں۔ اور کچھ صیفی ہیں جو گرمیوں میں نازل ہوئیں۔ علیٰ ہذا القیاس بعض حضری ہیں جو اس وقت نازل ہوئیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں یا مدینہ منورہ میں مقیم ہوتے تھے۔ اور بعض سفری ہیں یعنی وہ آیتیں جو اس وقت نازل ہوئیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر تشریف لے گئے ہوتے۔ تبلیغ کے لئے یا جہاد کیلئے۔ جسطرح کہ تیمم کی آیت اسوقت نازل ہوئی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ نماز کا وقت آگیا پانی موجود نہیں تھا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو وضو کی فکر ہوئی۔ بعد میں طہارت کے لئے صحابہ رض کی پاک جماعت فکر مند ہوئی تو آسمان سے بارش کو نازل فرمایا وینزل علیکم من السماء ماء لیطہرکم بہ۔ اب یہاں پریشانی ہوئی تو پوری امت کو اس یسر و سہولت میں ان کے ساتھ شامل فرما کر فان لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا۔ (پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کر لیا کرو) کا حکم نازل فرما دیا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بھی کیا عجیب و غریب شان تھی جن کے طفیل سے امت مرحومہ پر کیا کیا برکتیں نازل ہوتی رہیں۔ والحمد للہ ——— بہرحال زمانہ نزول کے لحاظ سے قرآن مجید کی آیات اور سورتوں کی کئی قسمیں ہیں۔

یہ سورت صحیح روایت کے مطابق مکی ہے ——— اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دیکھئے

اللہ تعالیٰ نے کس حد تک قرآن مجید کی حفاظت کرائی ہے۔ کہ کلمات اور حروف حرکات اور سکنات تو بجائے خود رہے۔ آج چودہ سو سال کے بعد بھی اگر ہم اور آپ چاہیں تو یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ یہ سورت کب اتری، کہاں اتری اور کسطرح اتری۔ والحمدللہ۔

دوسری بات سورت ہذا کی فضیلت | اس سورت کی فضیلت سے متعلق بھی میں نے چند حدیثیں سنائی تھیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی جسے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تالیف تفسیر عزیزی میں نقل فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ ابن مسعودؓ کی روایت میں آیا ہے۔ کہ جب مردہ کو قبر میں رکھدیا جاتا ہے۔ اور عذاب کے فرشتے آنے لگتے ہیں۔ تو یہی سورت ان کو روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اگر وہ پاؤں کیطرف سے آنا چاہیں تو یہ سورت کہتی ہے۔ اسطرف سے تو ہرگز نہیں آنے دونگی کیونکہ اس شخص نے مجھے نماز میں پاؤں پہ کھڑا ہو کر پڑھا تھا۔ اگر وہ سر کی طرف سے آنا چاہیں تو یہ کہتی ہے۔ اس جانب سے بھی نہیں آنے دونگی کیونکہ یہ خدا کا بندہ مجھے زبان سے پڑھا کرتا تھا۔ اور اگر وہ فرشتے عذاب دینے کے ارادہ سے دائیں بائیں آنا چاہیں تو بھی یہ روک دیتی ہے کہ اس شخص نے مجھے اپنے سینہ میں محفوظ کیا ہوا تھا —— اس کو یوں سمجھ لیں کہ جسطرح انسان سے کوئی بدپرہیزی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی مہلک زہر کچلا، سنکھیا، وغیرہ کھا لیتا ہے۔ تو اس کا اصل اثر اگرچہ ہلاکت اور خرابی ہے۔ لیکن دودھ، گھی وغیرہ مدافع اشیاء سے اس کا طبی اثر زائل کر لیا جاوے۔ یا بالفاظ دیگر بروقت اسے طبی امداد پہنچ جائے تو وہ ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح معاصی اور نافرمانیوں کا اصل اثر تو معذب ہونا ہی ہے۔ لیکن بہت سی نیکیاں اور حسنات اس کے دفعیہ کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔ قال تعالیٰ ان الحسنات یذھبن السیآت۔ بیشک نیکیاں برائیوں کا "اثر" زائل کر دیتی ہیں —— اسی طرح یہ وہم بھی نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا۔ کہ اس نے مثلاً تلاوت سورۃ الملک کی نیکی کی ہوئی ہے۔ اور اس سے بعض معاصی کا اثر جو عذابِ قبر کی شکل میں اسے ملنے والا تھا وہ دفع ہو گیا ہے۔ تو فرشتوں کو بھیجا ہی کیوں گیا۔ جواب یہ ہے۔ کہ عذاب ٹالنے والی تو واقعی صرف اللہ ہی کی ذات پاک ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو —— اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں۔ تو اسے کوئی بھی دور نہیں کر سکتا۔ الآیہ —— کہ وہ خود ہی معاف فرماویں گے لیکن جسطرح حسی تکالیف کو دور فرمانے کیلئے عالمِ اسباب میں کچھ ظاہری اسباب مقرر فرما دئے ہیں۔ پیاس بجھانے کے لئے پانی، بھوک دور کرنے کے لئے کھانا کھا لینا۔ بیماری کو دفع کرنے کے لئے مختلف دوائیاں۔ اسی طرح روحانی اور غیر مرئی تکالیف "عذاب" کو دور کرنے کے لئے بھی کچھ معنوی اسباب

مقرر فرما دئے ہیں، مثلاً ایمان، نماز، روزہ اور دیگر اعمال صالحہ۔ ان میں سے ایک شفاعت بھی ہے۔ شفاعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنا عذاب دفع فرما دیں تو اس میں اس شفیع یعنی شفاعت کرنیوالے نبی یا ولی حافظ اور عالم صالح وغیرہم کی عزت اور بارگاہ الٰہی میں ان کا مقام ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں بھی اس سورۃ پاک سورۃ الملک کی فضیلت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس لئے اس قابل مواخذہ اور مستحق عذاب میت کو معاف کرنے کی یہ صورت اختیار فرمائی گئی۔ کہ بوجہ اسکی کوتاہیوں کے ملائکہ عذاب کو بھیجا تو گیا تاکہ اس کا مستحق ملامت ہونا ظاہر ہو جاوے۔ لیکن سورۃ الملک کی شفاعت سے اسے رہا کر دیا گیا تاکہ اس سورت کی فضیلت ظاہر ہو جاوے۔ اور لوگ کلام الٰہی کی تلاوت سے عشق و محبت کرتے رہیں۔ جس سے ایک طرف خود وہ عذاب الٰہی سے بچ سکیں اور دوسری جانب کلام الٰہی سے متعلق دانالہ لحافظون کا وعدہ ازلیہ پورا ہو سکے۔

عالم مثال اور زبانی تلاوت کا مطلوب ہونا اسی روایت کے ضمن میں دو اور اہم مسئلے بھی عرض کئے گئے تھے۔ ایک عالم مثال کی بحث یعنی یہ کہ عالم اجسام کے علاوہ معانی اور ارواح کا صورت مثالیہ میں متمثل ہو کر نظر آ جانا بھی ممکن ہے۔ دیکھئے اس روایت میں بتلایا گیا ہے کہ سورۃ الملک ملائکہ عذاب کو روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ ان کے ساتھ ہمکلام بھی ہونے لگتی ہے۔ اس سے زیادہ صریح بعض دوسری سورتوں کے متعلق روایات میں آیا ہے۔ کہ وہ پرندوں کی صف کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التکشف میں عالم مثال اور تمثل ارواح وغیرہ کو مختلف حدیثوں سے ثابت فرمایا ہے ــــــ میں نے دوران درس میں صحیح روایات سے اس کے کئی واقعات عرض کر دئے تھے جن میں شہداء کو متمثل اور متجسد بہ صورت مثالی دیکھا گیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تالیفات میں ذکر فرمایا ہے کہ جب انگریزوں اور مسلمانان افغانستان کے درمیان جھڑپ ہوئی۔ بعض مجاہدین رات کو ایک پہاڑی پر ایک مسجد میں گئے وہاں دیکھا کہ لوگ باجماعت نماز میں مشغول ہیں۔ یہ غازی بھی ان کے ساتھ شریک ہونے لگے تو ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا تم ہمارے ساتھ شریک نہ ہو ہم زندہ نہیں، شہداء کے ارواح ہیں۔ تلذذا نماز پڑھ رہے ہیں۔ ہم مکلف نہیں، تمہاری نماز ہمارے پیچھے ادا نہیں ہوگی ــــــ رسالہ دارالعلوم دیوبند میں ایک مضمون بعنوان "سید احمد شہیدؒ کے دیوبندی رفقاء" شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ ایک دیوبندی شہیدؒ کے والد صاحب کو نماز تہجد کے بعد اپنے شہید بیٹے کی بیداری میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اپنا زخم کھول کر دکھایا، خون کا قطرہ ٹپکا تو صبح اسے اسی طرح اپنے مصلیٰ پر خون ــ کہ وہ جیسے

نظر آئے۔

شرح الصدور میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تین مجاہد بھائیوں کا ایک قصہ لکھا ہے۔ جو دورِ فاروقی میں پیش آیا۔ دو بھائیوں کو جلایا گیا۔ بلکہ جلتے تیل میں بھنا گیا۔ بقیۃ النار بھائی صاحب کو اللہ تعالےٰ نے استقامت بخشی اور جب وہ آزاد ہوا۔ اور اس کا نکاح ہونے لگا، تو اپنے دونوں شہید بھائیوں کو بجسد مما یعنی صورتِ مثالیہ میں ان کی روح متمثل ہو کر مجلس نکاح میں دیکھا گیا۔

بعض مقامات پر بعض خوش نصیبوں کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت نصیب ہوئی اور بیداری ہی میں علامۃ العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری میں تصریح فرمائی ہے۔ کہ ویمکن رویتہ صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃ وانکارہ جہل — یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اب بھی بیداری میں ممکن ہے۔ اور اس کا انکار جہل ہے —— علامہ سیوطیؒ بھی ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے بائیس" دفعہ اور ایک روایت کے مطابق ستر" دفعہ بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

دار العلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں جو کہ غالباً ۱۳۲۶ھ کو ہوا۔ اس موقعہ پر بھی بعض حضرات سے سننے میں آیا ہے کہ بعض اکابر نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ نے جب آخری رمضان شریف بانس کنڈی کے مدرسہ میں گذارا اور آپ کے ساتھ تقریباً پانسو علماء متوسلین اور مریدین کا اجتماع تھا، سنا گیا ہے کہ بہت سے خوش نصیب حضرات نے وہاں بھی بیداری ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

اکابرین دیوبند کے چمکتے ہوئے دامنِ ولایت پر بدعات کے دھبوں سے صاف و شفاف ہونے کے باعث جو شپرہ چشم نظر نہیں جا سکتے ان کے لئے اس قسم کے واقعات اور حقائق میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ضروری تنبیہ | البتہ یہاں اس پر تنبیہ کی خاص ضرورت ہے کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جہاں بھی اور جب بھی ذکر کی مجلس ہوگی، وہاں ضرور ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم متمثل ہو کر تشریف لاتے رہیں گے جیسطرح کہ بعض لوگ اس خیال سے مجلسِ ذکر میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ جزئی واقعات ہیں۔ کسی نص میں بھی اس کو کلیہ کے طور پر بیان نہیں فرمایا گیا —— البتہ فرشتوں کا مجالسِ ذکر میں شامل ہونا جبکہ موانعات نہ ہوں روایات سے ثابت ہے۔ کمافی روایۃ ان اللہ ملائکۃ سیاحین یلتمسون مجالس الذکر۔ الخ اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم —— یعنی فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام پر لگی ہوئی

ہے۔ کہ وہ مجالسِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔

الفاظ کلام اللہ کی اہمیّت | دوسرا مسئلہ اس کے ضمن میں تلاوتِ قرآن مجید کی اہمیّت کا تھا۔ کہ دیکھئے اس روایت میں آیا ہے۔ کہ سورۃ الملک شفاعت کرتی ہوئی بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گی۔ اے اللہ اس نے مجھے زبان سے پڑھا تھا اس لئے سر کی جانب سے فرشتگانِ عذاب کو نہیں آنے دوں گی ـــــ اس پر اس لئے تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوا کہ آج جہاں اور بہت سے فتنے اٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں ایک فتنہ یہ بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو صرف الفاظ پڑھ لینے سے کیا فائدہ اور پھر کہتے ہیں کہ جب اس پر عمل نہیں تو پڑھ لینے بلکہ صرف سمجھ لینے سے بھی کیا فائدہ۔ خوب سمجھ لو یہ ایک دھوکہ ہے۔ بلاشبہ قرآنِ مجید پر عمل کرنا فرض ہے۔ لیکن اس کے الفاظ کو محفوظ رکھنا بھی ایک مستقل فرض ہے۔ کئی احکام ہیں جن کا تعلق صرف الفاظِ قرآنی سے ہے۔ نماز کی صحت کو لے لیجئے۔ یہ صرف الفاظ قرآنی پر ہی موقوف ہے۔ آپ امام رازیؒ کی پوری تفسیر کبیر نماز میں پڑھ لیں۔ لیکن تین آیات کی تلاوت قصداً نہ کریں تو نماز ندارد ـــــ الفاظ قرآنی کے محفوظ رہنے سے ہی تو دین تحریف سے بچا ہوا ہے۔ اگر الفاظ نہ رہیں تو اہلِ اہواء جسطرح بھی چاہیں دین پیش کر دیں۔ الفاظ کو سامنے رکھ کر ہی تو آپ تفسیر، تاویل اور تحریف میں فرق کر سکتے ہیں۔

اسی طرح فاتوا بسورۃ من مثلہ کے اعلان سے دنیا بھر کو جو چیلنج دیا گیا ہے۔ یعنی اگر تمہیں قرآنِ مجید کے کلامِ الٰہی ہونے میں کچھ بھی شک و شبہ ہے اور تمہارا یہ خیال ہو کہ شاید حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی گھڑا اور بنایا ہو گا، تو تم فصیح و بلیغ ہونے کے باوجود ایک سورۃ ہی سب مل ملا کر بنا لاؤ۔ اس چیلنج کا تعلق الفاظ قرآنی سے بھی ہے۔ اس پر میں نے کسی کتاب میں جس کا اسوقت حوالہ یاد نہیں رہا، ایک لطیفہ آمیز واقعہ بھی دیکھا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک دفعہ کفار کے ایک وفد نے حاضر ہو کر قرآنِ مجید کے دو لفظوں کُبَّار اور ھُزُواً پر اعتراض کیا کہ ان دو لفظوں میں کچھ ثقل اور کراہت سمعی معلوم ہوتی ہے۔ جو کہ فصاحت کے منافی ہے اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو یہ دو لفظ اس میں نہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اعتراض صحیح نہیں۔ اور ان دو لفظوں میں کوئی ثقل یا کراہت نہیں پائی جاتی۔ انہوں نے نہ مانا تو آپ نے فرمایا کوئی ثالث مقرر کرو جو اس کا فیصلہ کر دے۔ انہوں نے ایک بڑے تجربہ کار اور معمر مشہور بلیغ و فصیح شخص کا نام لیا جو غیر مسلم ہی تھا۔ آپ نے اسکو حکم تسلیم فرما لیا۔ وہ بلائے گئے۔ حضورؐ کی مجلس میں آئے سامنے ہی بیٹھنے لگے تو آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا بوڑھے میاں ذرا دائیں کو تشریف رکھیئے وہ اٹھک بیٹھک میں ضعف

اور بڑھاپے کی وجہ سے کافی تکلیف محسوس کر رہا تھا، لیکن آپ کے فرمانے سے کچھ سنبھلا اور دائیں جانب بیٹھنے لگا۔ وہیں بیٹھنے کے قریب ہی تھا کہ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جناب ناراض نہ ہوں تو دائیں نہیں بلکہ بائیں جانب تشریف رکھیے۔ بڑے میاں بوڑھے تھے ہی بڑے آدمی بھی تھے اور پھر ثالث مقرر کئے جانے کی وجہ سے پوزیشن کا بھی خیال تھا اس لئے غصہ میں آکر سخت لہجہ میں کہنے لگے : اَتَتَّخِذُنِی ھُزُوًا وَاَنَا شَیْخٌ کَبَادٌ ـــ کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ حالانکہ میں بہت بڑی عمر کی وجہ سے قابلِ احترام ہوں ـــ بیچئے بیانات بھی نہیں ہوئے اور فیصلہ خود بخود ہو گیا کہ جن الفاظ پر اعتراض تھا، ثالث اور مقبول الطرفین حکم کو خدانہ لغت میں وہی ان معانی میں سب سے زیادہ فصیح الفاظ ملے۔ بہرحال اس معجزانہ فیصلہ کا تعلق بھی الفاظِ قرآنی ہی سے ہے ـــ

اردو میں نماز قسم کے فتنوں کو کتنا ہی فریب دہ الفاظ کے لباس میں چھپایا جائے اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ لوگ ایک تو مسلمانوں کے صلوتی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ الفاظِ قرآنی کے بقار کی وجہ سے تحریفِ دین میں جو زبردست رکاوٹیں موجود ہیں ان کو اپنے راستہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الملحدون۔

تیسری بات لفظ بیدہ کے متعلق کہی گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ متشابہات کے دو قسم ہیں۔ ایک وہ جن کے لغوی معنی تو معلوم ہوں۔ لیکن وہ مراد نہ لئے جا سکتے ہوں۔ جیسا کہ یہی لفظ ید اسی طرح لفظ وجہ لفظ ساق اور لفظ عین جو مختلف نصوص میں وارد ہیں کہ ان کے لغوی معنی تو معلوم ہیں۔ مگر وہ لئے نہیں جا سکتے۔ متاخرین نے دوسرے نصوص قطعیہ کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے ان کی مناسب تاویلیں کی ہیں۔ کہ مثلاً وجہ سے ذات خداوندی مراد ہے۔ ید سے مراد قدرت وغیرہ ہے۔ اور متقدمین فرماتے ہیں کہ صاف لفظوں میں ہم کو یہی کہہ دینا چاہئے کہ لہ وجہ یلیق بشانہ اور اسی طرح لہ ید یلیق بشانہ یعنی منہ بھی ہے اور ہاتھ بھی ہیں۔ مگر گوشت پوست کے نہیں بلکہ ایسی وجہ اور ایسے ہاتھ جو اس ذات پاک کی شان کے لائق ہیں۔ اور متشابہات کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن کے لغوی معنی بھی معلوم نہ ہوں، جسطرح کہ حروف مقطعات الم - الٓمٓرٰ وغیرہ ذالک ـــ حروفِ مقطعات کے متعلق سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ یہ سریانی زبان کے الفاظ ہیں۔ اور ان میں سورۃ کے تمام مضمون کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جسطرح کہ مثلاً کتاب الطہارۃ لکھ دینے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دو اڑھائی سو صفحات میں صرف طہارۃ کے مسائل ہوں گے اور واقف کار

نماز روزہ کے مسائل ان اوراق میں نہیں ڈھونڈھے گا ـــــ بطور مثال حرف ص میں تبلایا گیا۔ کہ اس سورۃ میں تاریخی واقعات کا زیادہ ذکر ہوگا۔ اس لئے باقی مضامین مذکور بھی ہوں گے۔ تو وہ ضمناً آئیں گے ابریز میں حضرت موصوف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سریانی زبان میں بسیط حروف وہی کام دیتے ہیں۔ جو عربی میں مرکب الفاظ مثلاً ہم یہاں عبداللہ سے جو کام لیتے ہیں۔ وہ صرف حرف عین سے یہی کام لیں گے۔ وغیر ذالک آپ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ روح عموماً اسی زبان کو کام میں لاتی ہے۔ اور خواب میں بھی ان کا دعویٰ ہے کہ عموماً سریانی زبان میں اشارات سنے جاتے ہیں۔ اور اس لئے روحانیت کے مالک اصحاب ان کی تعبیر میں زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک، بچہ ابتداء آفرینش میں سریانی زبان میں بولتا ہے۔ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے۔ کہ آغوں آغوں جو نوزائیدہ کے منہ سے نکلتا ہے۔ یہ بھی سریانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

رہا یہ شبہ کہ قرآن مجید تو عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ پھر اس میں غیر عربی الفاظ کو کسطرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ سو جواب یہ ہے۔ کہ بطور مثال کے اگر کوئی شخص یہ بولے کہ کل میں نے آپ کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور آپ سے فلاں بات میں استصواب بھی کیا تھا۔ لیکن آپ بالکل ساکت اور صامت رہے۔ تو کیا آپ کو یہ تسلیم کرنے میں تردد ہوگا کہ یہ اردو بول رہا ہے۔ حالانکہ خیر مقدم، لیکن، استصواب، ساکت اور صامت یہ سب عربی الفاظ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی عبارت میں دوسری زبان کے الفاظ آجانے سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ وہ زبان ہی نہیں رہی۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اتقان میں اسکو ایک مستقل فصل میں بیان فرمایا ہے۔

اسی بحث کی ضمن میں میں نے ایک ضروری بات یہ بھی عرض کی تھی۔ کہ جسطرح متشابہات کا یہ حکم ہے۔ کہ چونکہ ان کا ظاہر نصوص قطعیہ محکمہ کے خلاف ہے۔ تو ہم اس کا علم اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیں گے۔ اسی طرح بعض اکابر نے لکھا ہے۔ کہ اگر بعض بزرگوں سے کبھی ایسے اقوال یا احوال اور افعال صادر ہو جاویں جن کا ظاہر نصوص شرعیہ کے خلاف ہو تو اگر واقعی دوسرے دلائل سے ان کا صالح اور بزرگ ہونا ثابت ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ واقعی ساری عمر تو متبع سنت اور صحیح العقیدہ رہا مگر کسی وقت اس سے کوئی قول یا فعل خلاف شرع صادر ہو گیا۔ تو اب اسے متشابہات کے قبیلہ سے سمجھتے ہوئے اس کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کہ عمل تو ہم نصوص شرعیہ پر ہی کریں گے۔ فلاں صاحب نے ایسا کیوں کہا یا کیا۔ بس ادب کی بات یہ ہے کہ ہم کہہ دیں کہ ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ ـــــ غالباً حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسائل السلوک میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔

چوتھی بات ——— ایک اور بات جو عرض کی گئی تھی وہ بیدہ الملک سے متعلق ہے۔ ملک کہتے ہیں عالم اجسام کو یعنی فرش سے عرش تک۔ تو اس میں تصرف کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ نہ کہ کسی اور کو اور یہ حصر بیدہ کی تقدیم سے معلوم ہوا ——— یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تصرف اور اختیار کے دو قسم ہیں۔ تکوینی اور تشریعی۔ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ تکوینی تو جیسے کسی کو پیدا کرنا۔ زندہ رکھنا۔ صحت دینا۔ بیمار کرنا۔ عزت دینا۔ وغیر ذالک لوگ اسی طرح کے قطعی عقائد میں بھی بہت ہی غلو کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہہ گزرتے ہیں۔ کہ نعوذ باللہ ۔

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔

جو کچھ لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

سننے والے ناسمجھ ہوتے ہیں دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ کہ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعریف ہو رہی ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ جب ربِ محمدؐ کی نعوذ باللہ توہین ہو رہی ہے۔ تو سرورِ کائنات محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح خوش ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ میری ایسی تعریف بھی نہ کرو جس سے میرے کسی اور بھائی یعنی نبی کی توہین کا شبہ بھی ہوتا ہو۔ اس لئے فرمایا لا تفضلوا بین الانبیاء۔ اور ہم اس قسم کے گستاخانہ کلمات استعمال کریں کہ خود اللہ جل مجدہٗ کی شان میں بھی معاذ اللہ گستاخی ہو رہی ہو۔ کوئی شک نہیں کہ ہمیں جو کچھ ملا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ملا۔ مگر دینے والے بہرحال رب کریم ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی۔ دینے والے اللہ پاک ہی ہیں میں تو تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور ہم کہیں کہ اللہ کے پلڑے کچھ ہے ہی نہیں۔ انا للہ ——— بہرحال تکوینی تصرف کے اختیار کے تو یہ معنی ہوئے جو عرض کئے گئے اسی طرح تشریعی تصرف بھی صرف اسی کا حق ہے۔ تشریع کے معنی یہ سمجھیں کہ زندگی گذارنے کا ضابطہ تو یہ بھی صرف اسی کا حق ہے۔ آج کوئی سمجھتا ہے۔ یہ شخص کا حق ہے۔ کوئی کہتا ہے جمہور کا ہے۔ اسلام کا اعلان یہ ہے۔ کہ یہ صرف اسی مالک الملک کا حق ہے۔ جس کے ہاتھ میں تمہاری موت اور حیات ہے۔ الا لہ الخلق والامر غضب ہے کہ آج وہ لوگ بھی جو قانون سازی اللہ پاک کا حق سمجھتے ہیں۔ فیصلہ کرنے کا آخری اختیار اسمبلی کی اکثریت کو دیتے ہیں۔ اور اسلامی نظام قائم کرنے کے بعض مدعی بھی اسی پر نہ صرف یہ کہ صاد کر دیتے ہیں۔ بلکہ از خود اسکی سفارش کر دینے سے بھی نہیں جھجکتے۔ عجیب اسلام ہے۔ اور عجیب اسلامی نظام۔ (باقی آئندہ)

جلسہ دستار بندی دار العلوم کی مختصر رپورٹ

از قلم محمد عثمان غنی بی۔ اے۔ واہ کینٹ

۷-۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو اکوڑہ خٹک کے دار العلوم حقانیہ کی دستار بندی کا جلسہ تھا۔ جلسہ میں ملک کے اطراف و اکناف سے آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ۲۵ سے ۳۰ ہزار تک موجود تھی اور ملک کے مشہور و معروف علمائے کرام و اولیائے عظام بھی تشریف فرما تھے۔ بعض بیرونی ممالک کے قرّاء حضرات بھی تشریف لائے اور قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب مہتمم دار العلوم کے اخلاص و للہیت کے کیا کہنے، جنگل میں منگل بنا ہوا تھا۔ چاروں طرف بجلی کے قمقموں سے جگ مگ جگ مگ ہو رہی تھی۔ دار العلوم کی مسجد میں چراغاں تھا۔ اور تمام حاضرین جلسہ کے لئے طعام و قیام کا انتظام حیران کن تھا۔ وہ علماء و فضلاء کتنے خوش نصیب تھے جن کے سروں پر بزرگانِ دین نے دستاریں باندھیں اور اُن کے اعزّاء و احباب نے پھولوں کے ہاروں سے ان کی دستار بندی کی خوشی منائی۔ تین سو طلباء کو دستار فضیلت عطا کی گئی۔ یہ حضرات نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ممالک مثلاً افغانستان تک سے تعلق رکھتے تھے۔

جلسہ کا آغاز نمازِ ظہر کے بعد ہفتہ ۷ اکتوبر کو ہوا جس میں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اہل سنت والجماعت کے موضوع پر ایک بصیرت افروز تقریر فرما کر موجودہ دور کے کئی فتنوں کا ایسے علمی انداز میں رد کیا کہ ملحدین امّت کو گمراہ نہ کر سکیں گے۔ ہمارے اکابر جذبات کی رو میں نہیں بہتے بلکہ دلیل دے کر بات کرتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد راولپنڈی کے حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب کی تقریر پشتو زبان میں ہوئی۔ اس وقت بھی جبکہ دار العلوم میں باہر سے آنے والے تمام لوگوں کو کھانا دیا جاتا رہا، پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس نشست کی صدارت مشہور مخیر اور جیّد عالم دین مولانا الحاج میاں مسرت شاہ کاکاخیل رکن مجلس شوریٰ دار العلوم حقانیہ نے فرمائی۔ اسی نشست میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہٗ نے دار العلوم کے پچھلے ۶ سال کی تفصیلی کارگذاری پر مشتمل مفصّل رپورٹ پڑھ کر سنائی جو "الحق" کے علاوہ الگ بھی چھپ چکی ہے۔

جلسہ کی دوسری نشست ہفتہ نمازِ عشاء کے بعد تھی۔ آغاز جلسہ مولانا قاری سعید الرحمان صاحب خطیب جامع مسجد راولپنڈی کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حضرت حافظ الحدیث مولانا عبد اللہ درخواستی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ارشادات فرمائے۔ آپ نے

فرمایا کہ جو لوگ اس جلسہ میں موجود ہیں وہ رحمتوں سے جھولیاں بھر کر جائیں گے۔ دامن پھیلانے کی دیر ہے دامن بھرنے میں دیر نہیں۔ رحمت کا دریا موج میں ہے۔ پھر فرمایا دارالعلوم حقانیہ میں قرآن و حدیث کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اور انشاءاللہ ہوتی رہے گی جس مدرسہ میں قرآن پڑھایا جاتا ہے وہ مدرسہ بھی شان والا۔ جس سینے میں قرآن آگیا وہ سینہ بھی شان والا۔ آپ نے فرمایا ملک میں خدا کا دین قائم رہا تو ملک بھی بچ جائے گا۔ اور اگر خدا کے دین کی بیخ کنی کی گئی تو ملک بھی منت جائے گا۔ اس لئے اپنے دین اور ملک کی حفاظت علماء پر عائد ہوتی ہے۔ آپ نے مولانا عبدالحق صاحب کی کوششوں کو سراہا اور فرمایا کہ حدیث یار کی تکرار کرتے چلیں۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ آج ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اسلام کے اساسی ارکان اور معتقدات پر حملہ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں صحابہ کرام بالخصوص حضرت عثمانؓ پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔ تاکہ اسلام کی یہ اساس قابلِ اعتماد نہ رہے ۔۔۔ آپ نے فرمایا دین کی بنیاد بزرگوں کے ادب پر قائم ہے۔ اور طلبہ و اہل علم کو بیش قیمت نصائح فرمائے ۔۔۔ حضرت درخواستی کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے لئے جانا تھا۔ اس لئے تبرکاً دو تین فضلاء کی دستاربندی کر کے رخصت ہو گئے

حضرت درخواستی کے بعد بہاولپور جامعہ اسلامیہ کے شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے کمیونزم اور اسلام اور علماء کے اتحاد و اتفاق پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ علم دین کی فضیلت کا کوئی قائل ہو نہ ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ علم کی فضیلت مسلم ہے۔ آپ نے ایک بہت بڑے امیر کا قصہ سنایا کہ وہ دولت ہی کو ہر عروج کا معیار سمجھتا تھا۔ مگر ایک عورت کا بچہ بیمار تھا۔ اس نے بچے کو آپ کے سامنے پیش کیا کہ اس پر دم کر دیں۔ آپ نے اس دولتمند کو فرمایا کہ بتا اس عورت نے بچہ کو تمہارے سامنے کیوں نہ پیش کیا۔؟ آخر میرے سامنے پیش اسی لئے تو کیا کہ اسکو علم دین کی قدر ہے۔ اور یہ سمجھتی ہے۔ کہ اللہ کے نام میں برکت ہے۔ اگر تیری دولتمندی معیار ہوتی تو پھر علم دین کی طرف لوگ راغب نہ ہوتے۔

مولانا افغانی مدظلہٗ نے فرمایا آج لوگ روٹی روٹی پکارتے ہیں۔ اور اس روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے یورپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اقوام متحدہ کی رپورٹ شاہد ہے۔ کہ آدھی دنیا کے انسان پھر بھی بھوکے ہیں۔ اگر خدائی نظام میں انسان دخیل ہونا شروع کر دے تو پھر کام سنورتے نہیں بگڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کمیونزم میں جس مساوات کا پرچار کیا جاتا ہے۔ وہ ناقابل عمل ہے۔ اگر ہر کوئی لاکھ پتی بن جائے تو دنیا کے کام کون کرے۔؟ اگر ایک شخص کسی سے کہے کہ میرے کپڑے دھو دو۔ تو وہ کہے گا میں لاکھ پتی ہوں اور تم بھی لاکھ پتی ہو۔ تم خود ہی دھو لو۔ اسی طرح اگر کسی سے حجامت بنوانی ہو اور کہا جائے کہ میری حجامت بنا دو۔ وہ کہے گا کہ میں بھی لاکھ پتی ہوں تم بھی لاکھ پتی۔ تم خود ہی حجامت بنالو۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا

بنایا کہ انسان انسان کے کام آئے مگر انسانوں نے خدائی نظام کے مقابلے میں اپنی طرف سے نظام بنانے شروع کردیئے اور آخر الامر ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت مولانا نے دلائل کے ساتھ کافی سیر حاصل بحث فرمائی اور عالمگیر جنگوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے موجودہ ویت نام کی جنگ کا بھی تذکرہ کیا۔

ان کے بعد متحدہ عرب جمہوریہ کے ایک جید قاری استاذ عبدالرؤف نے اپنی مسحور کن تلاوت سے مجمع کو محو حیرت بنا دیا۔ تلاوت کے بعد خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور آپ کے میٹھے انداز کلام سے مجمع پر سحر طاری تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اس نورانی جلسہ میں شرکت میرے لئے باعث افتخار ہے۔ انہوں نے وقت کے تقاضوں کی روشنی میں اہل علم کے مقام اور ذمہ داریوں پر گرانقدر خیالات کا اظہار کیا۔ آپ کے بلند پایہ ارشادات ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہے۔ اس مجلس میں ہزاروں اہل علم کے علاوہ مشہور تاریخی شخصیت تحریک ریشمی رومال کے سرگرم رکن اور حضرت شیخ الہند کے محبوب شاگرد اسیر مالٹا مولانا عزیز گل کاکاخیل مدظلہ بھی شریک تھے۔

حضرت مولانا تھانوی کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے کئی دینی فتنوں پر اپنے مخصوص متکلمانہ انداز میں قرآن و سنت کی روشنی میں بحث فرمائی۔ اور فرمایا کہ مسلمان کو ان فتنوں کی زد میں نہیں آنا چاہیئے۔ آپ کا طرز تقریر بھی دلائل ہی کی روشنی میں ہوتا ہے۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔ اور جلسہ پوری طرح جما ہوا تھا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی مفصل اور مدلل تقریر سے حاضرین کو بہت فوائد حاصل ہوئے ——— جلسہ نماز فجر تک جاری رہا۔ آخری نشست اتوار کی صبح شروع ہوئی۔ ابتداء میں اس علاقہ کے مشہور مفسر قرآن مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصور نے پشتو میں تقریر کی۔

اتوار ۸ر اکتوبر بیشتر فضلاء کی دستار بندی کا دن تھا۔ غورغشتی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ مولانا قاری محمد امین صاحب خطیب درگشاہی محلہ راولپنڈی دستاریں پیش کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب دستار کے پیچ دے کر آخری پیچ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب کے لئے رہنے دیتے تھے۔ پھر فضلاء حضرات اکابر کے سامنے ہو جاتے۔ جو اپنے دست شفقت سے ان فضلاء کے سروں پر پیار دیتے تھے۔ اور وہ مبارکیں لیتے ہوئے سٹیج سے اتر جاتے۔

دستار بندی کے اختتام پر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے مندرجہ ذیل دعائیہ جملے

ارشاد فرمائے :-

" اللہ تعالیٰ یہ علم اور دین کا چشمہ جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے جاری ہوا ہے اسکو تادیر سلامت رکھیں۔ جو اس چشمہ سے سیراب ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید سیرابی نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالحق صاحب اور اُن کے معاونین کو تادیر سلامت رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اُن احباب کو جو پڑھ رہے ہیں یا آئندہ پڑھیں گے استقامت اور غنائے ظاہری و باطنی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو زندیقوں اور ملحدوں کی دست بُرد سے محفوظ رکھے۔ ساری دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور دین کا علم ایک طرف، اللہ کے دین سے بڑھ کر کوئی بھی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ جن کو دین کا علم دیا اُن کو دنیا کا مال نہ دیا اور جن کو دنیا کا مال دیا ان کو علم دین سے محروم کر دیا۔ اللہ نے فرعون کو تخت و تاج دیا اور موسیٰؑ کو در بدر پھرایا نمرود کو بادشاہ بنایا اور ابراہیمؑ کو آگ میں ڈلوایا۔ عالم دین کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے اور علماء کو چاہیئے وہ بھی درویشی اور قناعت سے کام کریں۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ اور مسجد کو آباد رکھیں۔ یہ مسجد کا صحن اور مدرسہ کے در و دیوار بڑے بڑے ایوانوں سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو تادیر قائم و دائم رکھیں۔ آمین "

اس نشست میں علاقہ بھر کے علماء واکابر کے علاوہ بلوچستان، وزیرستان، بنوں، ڈیرہ، ریاست سوات، ڈیرہ باجوڑ وغیرہ کے صالح بزرگ اور علماء موجود تھے۔ ریاست سوات کے علماء میں وہاں کے محکمۂ قضاء کے صدر مولانا قاضی عزیز الرحمان صاحب بھی شامل تھے۔

بعد ازاں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے اردو اور پشتو میں ملی جلی تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ جب تک انسان ہی درست نہ ہو کائنات درست نہیں ہو سکتی۔ اگر انسان درست رہے تو ساری کائنات درست رہتی ہے۔ انسان عالم اکبر ہے۔ اور کائنات عالم اصغر ہے۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ گاڑی کا انجن درست نہ ہو تو گاڑی بیکار ہے۔ اور اگر انجن درست رہے گا تو گاڑی بھی درست رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ اس لئے انسان کی اصلاح از حد لازمی ہے۔ اور اصلاح ہوتی ہے قرآن و حدیث کے علوم اور اہل اللہ کی صحبت سے۔ آپ نے تزکیۂ باطن پر زور دیا۔

آخر میں حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور نے اپنے ارشادات عالیہ سے حاضرین مجلس کو نوازا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مدرسہ میں حاضر ہو کر دلی راحت ہوتی ہے۔ اور اسکی کامیابی کیلئے شب و روز دعاگو ہوں۔ مسجد کافی وسیع ہے مگر آج اسکی وسعتیں بھی حاضرین کے لئے تنگ نظر آتی ہیں۔ اتنے مہمانوں کو کھانا دینا اور اتنے بڑے جلسہ کا اہتمام کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ آپ نے فرمایا

(باقی صفحہ ۲۷ پر)